مشینوں کا شہر

(ناول)

کرشن چندر

نصرت پبلشرز - وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

کتابت :- وقار رضوی
مطبع :- نامی پریس
بار اول :- دسمبر ۱۹۷۱ء
تعداد :- ۱۱ سو

قیمت :- ۴ روپے

ناشر

نصرت پبلشرز - وکٹوریہ اسٹریٹ

لکھنؤ ۳

پیش لفظ

ناول "مشینوں کا شہر" کارل چیپک کے مشہور ڈرامہ R.U.R سے ماخوذ ہے۔ میں نے وہی کردار لئے ہیں، وہی پلاٹ۔ ناول میں ڈھالنے کے لئے البتہ اس میں کہیں کہیں تبدیلی کرنا پڑی ہے۔ مگر جہاں تک ہوسکا ہے میں نے کوشش کی ہے کہ اصل سے انحراف نہ ہو۔

آج سے تقریباً نصف صدی قبل کارل چیپک نے جو سائنسی پیشین گوئیاں کی تھیں اور جس طرح ان کی سمت اور نہج واضح کی تھی ان کا ایک خوفناک نقشہ آپ کو اس ناول میں ملے گا۔ اس صدی میں اسکی ابتدا ہو چکی ہے۔ کیا اگلی صدی میں یہ ابتدا اسی انجام کو پہونچے گی جس کی طرف کارل چیپک نے اشارہ کیا ہے!

ممکن ہے انسانی تہذیب ایک نئی کروٹ لے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ایک تہذیبی اور سیاسی فیصلہ ہوگا جس کے آثار ابھی تک دکھائی نہیں دیتے۔

کرشن چندر

پہلا باب

۱۹۹۵ء عیسوی تک چاند پر انسان نے بہت سی آبادیاں بنا ڈالی تھیں ۔۔۔ یہ آبادیاں ان آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیوں کے گڑھوں میں تیار کی گئی تھیں جن سے اب لاوا نکلنا بند ہو چکا تھا۔ ہر چوٹی کے اوپر چاند کو اوپر والے شہاب ثاقب سے بچنے کے لئے نہ ٹوٹنے والے کانچ یا پلاسٹک کا گنبد کھڑا کیا گیا تھا۔ اس گنبد کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی کے حساب سے تیار کی جاتی تھی۔ کریٹر ڈرماس کا قطر چھ میل تھا۔ اور اس گنبد کے اندر چھ ہزار انسان رہتے تھے۔ اس گنبد کے اندر سے اندرونی چٹانوں کو دبا کر ان سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ اور نقلی آب و ہوا تیار کی گئی تھی۔ جس میں انسان سانس لے سکتے تھے۔ گندی ہوا باہر نکالنے کا بھی انتظام تھا۔ اس گنبد کے اندر بلڈنگیں تھیں۔ اور باغات۔ پیڑ جن کے پتوں پر پلاسٹک کے غلاف چڑھا دیئے گئے تھے۔ پھل۔ پھول۔ پارک۔ سینما۔ اسکول۔ کالج ۔ اور کانیں قائم ہو گئی تھیں۔ کانوں سے بیشمار سونا چاندی اور ہیرے جواہرات اور دوسری دھاتیں نکال کر زمین کو بھیجی جاتی تھیں۔ ان گنبدوں سے باہر نکلنا اب بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ چاند کی سطح کے گرد زمین کی کرۂ ہوائی تخلیق کرنے کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہو چکی تھیں۔

پھر بھی چاند پر انسانی آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ کیونکہ چاند کے اندر چٹانوں کے نیچے بیشمار قیمتی معدنیات کی کانیں دریافت ہو چکی تھیں جنھیں بڑے بڑے راکٹوں کے ذریعے زمین تک پہنچایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی حادثہ بھی ہو جاتا تھا۔ کوئی راکٹ کسی گرتے ہوئے شہاب ثاقب سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جاتا۔ لیکن ایسے حادثے کم ہوتے تھے۔

کریٹروں پر جو پلاسٹک کے گنبد تعمیر کئے گئے تھے وہ اس قدر مضبوط تھے کہ چاند کی سطح پر دن رات گرنے والے چھوٹے چھوٹے شہاب ثاقب اِس پلاسٹک کو توڑ نہیں سکتے تھے۔ اور اگر کبھی کوئی بڑا شہابِ ثاقب گرتا۔ اور مضبوط پلاسٹک کو توڑنے میں کامیاب ہو جاتا تو فوراً اس کے نیچے کا تہ دار پلاسٹک کا ٹکڑا خود کار مشینوں کے ذریعے پھیلتا ہوا ایک لمحے میں اس شگاف کو ڈھک دیتا۔ انسانی آبادی کی حفاظت کے لئے ہر گنبد سات پرت کا تیار کیا جاتا تھا تاکہ اگر ایک پرت ٹوٹے تو دوسرا پرت فوراً اس کی جگہ لے لے ——— تاکہ گنبد اندر کا کرّہ ہوائی خلا میں بکھر کر انسانی آبادی کے لئے خطرہ نہ پیدا کر دے۔

لیکن ۲۲۴۰ء عیسوی میں ۱۶ اگست سے روز اچانک مرخون نامی دُمدار ستارے سے اتنے بڑے بڑے شہاب ثاقب ٹوٹ کر چاند کی سطح پہ گرے کہ انہوں نے نہ صرف کریٹر ڈرماس کے گنبد کو توڑ ڈالا بلکہ دوسرے سینکڑوں گنبد تباہ کر ڈالے۔ اچانک ایک دن میں ایک ہی حادثے میں چاند پر ——————— گنبدوں کے نیچے نقلی کرّہ ہوائی کی دو تہائی انسانی آبادی ہلاک ہو گئی۔ صرف چند ہزار لوگ بچے۔ جو کانوں کے اندر آکسیجن کے نقاب اوڑھے ہوئے کام کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے انھیں ہوائی راکٹوں کے ذریعہ چاند کی سطح سے بچا کر واپس زمین پر لایا گیا۔ پھر اگلے بیس برس تک

کسی انسان کی چاند پر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

مگر چاند کے اندر قیمتی معدنیات کی کان کا لالچ بار بار انسانی کاوش کو اکساتا تھا۔

۲۲۶۲ عیسوی میں تین سائنس داں "پروفیسر اجے کمار گھوش" "پروفیسر پانڈو رنگ پاٹل" اور "پروفیسر جاوید ملک" نقلی انسان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے پہلے مختلف دھاتوں کے استعمال سے مختلف طرح کمپیوٹر اور روبو بنائے جا چکے تھے۔ جو انسان کے بہت سے کام کر سکتے تھے۔ لیکن ان مشینوں کی تخلیقی صلاحیتیں بہت کم تھیں۔ ان کا حجم بہت بڑا تھا۔ اور انکی تیاری میں لاکھوں روپے صرف ہوتے تھے۔

پروفیسر گھوش۔ پروفیسر پاٹل۔ اور پروفیسر جاوید ملک نے ایک ایسا نقلی انسان تیار کیا۔ جسکی لاگت پر صرف بیس ہزار روپے خرچ ہوتے تھے۔ انکی ایجاد کا غلغلہ ساری دنیا میں ہو گیا۔ اس وقت تک زمین پر ایک حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ایک وفاقی قسم کی فیڈرل حکومت جو مختلف ملکوں اور قوموں کو ایک نظامِ زندگی میں مربوط کرتی تھی۔ اس حکومت کی راجدھانی طہران میں تھی۔ اس حکومت کا صدر کینیا کا مشہور سائنس داں اور علم کیمیا پر غیر معمولی مہارت رکھنے والا جوزہ بنیان اوڈاما تھا۔ اوڈاما کے حکم سے امریکہ کے مشہور پروفیسر جیک انگسائیڈ اور ناروے کے پروفیسر ہائیڈن۔ اور ہند چینی کے پروفیسر اوپی ماؤ کو پروفیسر گھوش۔ پاٹل۔ اور جاوید ملک کے ساتھ نقلی انسان پر مزید کام کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ حکومت ہند کی اجازت سے جزیرہ انڈیمان پر زیر زمین میلوں تک اندر پھیلے ہوئے ایک وسیع تہ خانے میں نقلی انسانوں کی فیکٹری بنانے کا انتظام کیا گیا۔ ان سائنس دانوں کی کاوش سے نہ صرف بہتر قسم کے نقلی انسان تیار ہونے لگے۔ بلکہ انکی لاگت

میں بھی کمی واقع ہوئی۔ اب صرف سات ہزار روپے میں ایک ایسا نقلی انسان تیار کر لیا گیا تھا جو بیس برس تک ایک کارخانے میں بغیر کھائے پیئے اور کسی قسم کی تنخواہ لئے کام کر سکتا تھا۔

نقلی انسان کی ایجاد سے چند برسوں میں پوری دنیا میں ایک نیا صنعتی انقلاب آگیا۔ جس نے کمپیوٹر۔ روبو اور اصلی انسانی مزدوروں کی اہمیت کو بڑے بڑے کارخانوں کے لئے بہت کم کر دیا تھا۔ بڑے کارخانہ داروں نے۔ اصلی انسانوں کو ملازم رکھنے کے بجائے جو ٹریڈ یونین بناتے تھے۔ اور ہڑتالیں کرتے تھے۔ اور دنگا اور فساد کرتے تھے۔ اب ——————— انڈیمان کی فیکٹری سے نقلی انسان آرڈر کرنا شروع کر دیئے۔ جس سے نافٹ فیکٹری (نقلی انسان فیکٹری) کے منافع میں ہر سال دس ارب کا اضافہ ہونے لگا۔ اور دنیا کے چاروں کونوں سے لوگ دور دور سے اس فیکٹری کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہونے لگے۔ مگر فیکٹری کے دروازے ہر کس و ناکس کے لئے نہیں کھلتے تھے۔ بہت ہی مخصوص لوگوں کو اور وہ بھی دنیا کی حکومت کے صدر اور حکومت ہند کی خاص سفارش سے فیکٹری کے چند حصے دکھائے جاتے تھے۔ مگر فیکٹری کا وہ حصہ جہاں نقلی انسان تیار ہوتے تھے۔ کسی کو دکھایا نہ جاتا تھا۔ اور نقلی انسان بنانے کا فارمولا بھی بالکل سب سے الگ چھپا کر ایک بڑے سیف میں رکھ دیا گیا تھا۔ جس کا قفل پروفیسر اجے کمار گھوش کے علاوہ اور کوئی نہ کھول سکتا تھا۔

اب چاند پر بھی اصلی انسانوں کی جگہ نقلی انسان بھیجے جانے لگے۔ اور صحیح معنوں میں اب چاند زمین کے رہنے والوں کی نوآبادی بن گیا۔ ہزاروں نئی کانیں دریافت

کی گئیں۔ جن میں نقلی انسان کام کرنے لگے۔ دن بدن چاند پر انسانی آبادی بڑھنے لگی۔ اور سن ۲۲۹۰ء میں چاند پر نقلی انسانوں کی آبادی بڑھتے بڑھتے سترہ لاکھ تک جا پہنچی۔ ان نقلی انسانوں کو نہ غذا کی ضرورت تھی۔ نہ کسی کرہ ہوائی کی۔ نہ آکسیجن کی۔ نہ کسی خواہش کی البتہ یہ نقلی انسان دن میں بارہ گھنٹے کام کرنے کے بعد بیکار ہو جاتے تھے۔ اور انھیں چند گھنٹے آرام کرنے دیا جاتا تھا۔ تاکہ ان کے اندر کی مشینری جو مسلسل بارہ گھنٹے کام کرنے سے گرم ہو جاتی تھی پھر سے ٹھنڈی ہو جائے۔ چاند پر ہی نقلی انسانوں کو مرمت کرنے کی فیکٹریاں اور گیرج کھول دئے گئے تھے۔ اور خیال تھا۔ کہ چاند کی تہ میں جا کر چاند کا کوئی ایسا کونا نہ بچے گا جہاں نقلی انسان کام کرتے ہوئے نہ ملیں گے۔

سن ۲۲۹۶ء عیسوی میں ۲۱ اپریل کے دن زمین کے صدر محترم اوڈاما کی لڑکی سیما سولہ برس کی ہو گئی۔ اور اس موقعہ پر صدر محترم نے اپنی لڑکی سے پوچھا۔ کہ وہ اُس دن کے لئے اپنے لئے کون سا تحفہ پسند کرے گی۔

سیما نے جواب دیا "میں نقلی انسانوں کی فیکٹری دیکھنا چاہتی ہوں"

اوڈاما نے اسی وقت ایک بٹن دبا کر اپنے ذاتی سیٹلائٹ کے ذریعے حکومت ہند سے بات کی۔ حکومت ہند نے پروفیسر اجے کمار گھوش سے سفارش کی۔ چند منٹوں میں سیما کے لئے فیکٹری دیکھنے کی منظوری آ گئی۔ اور اُسی دن صدر محترم اوڈاما کے ذاتی راکٹ پر بیٹھ کر سیما سہ پہر میں جزیرہ انڈیمان میں فیکٹری دیکھنے کے لئے پہونچ گئی۔

تہ خانے کے دروازے پر گارڈ نے سیما کا پروانہ راہداری چیک کیا۔ پھر اندر ٹیلیفون کیا۔ ٹیلیفون سے اثبات میں جواب آنے پر سیما کے لئے تہ خانے کی فیکٹری کے دروازے کھول دئے گئے۔ اور سیما ایک لمبی روشن غلام گردش میں داخل ہو گئی۔۔۔۔

دوسرا باب

روشن غلام گردش سے نکل کر سیما ایک وسیع پارک میں پہونچ گئی۔ اونچی شفاف چھت سے درجنوں جگمگاتے جھاڑ لٹک رہے تھے۔ یہ پارک ایک طرح کا کانچ گھر تھا جس کے اندر ایک وسیع باغ اگایا گیا تھا۔ اور زمین کی سطح کے اوپر جو پھل۔ پھول۔ پیڑ اور سبزیاں اُگتی ہیں وہ یہاں پر نقلی آب و ہوا سے اگائی جاتی تھیں۔

پارک کے آہنی دروازے پر گارڈ نے سلامی دیتے ہوئے سیما کو ایک نوجوان کے سپرد کیا جو شکل و شباہت سے بے حد خوبصورت اور وجیہہ اور پُروقار معلوم ہوتا تھا۔

اس نے سیما کی طرف ہاتھ بڑھا کے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ سے کہا۔ "میرا نام نریندر گھوش ہے۔ میں پروفیسر اجے کمار گھوش کا بیٹا ہوں۔ اور اسی فیکٹری میں ایک سائنسداں ہوں۔ میں اس فیکٹری کی طرف سے صدر محترم کی لڑکی مس سیما اوڈاما کے استقبال کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ خوش آمدید۔"

"تھینک یو۔" مس سیما اوڈاما نے اس خوش شکل نوجوان سے ہاتھ ملاتے اور اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت تندرست اور چاق چوبند معلوم ہوتے ہیں۔
"میں آج تک کبھی بیمار نہیں ہوا۔ فیکٹری کے اندر سائنس کی مدد سے جو کرہ ہوائی پیدا کیا گیا ہے اس میں کسی طرح کے بیمار کرنے والے جراثیم۔ بیکٹریا اور وائرس نہیں پائے جاتے۔ اس لئے اس فیکٹری کے اندر کام کرنے والے کبھی بیمار نہیں ہوتے۔"
"تو اس کا مطلب یہ ہے۔" سیما نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ"______
______ اس فیکٹری کے لوگ کبھی اپنے تہ خانے سے باہر نہیں جاتے۔؟ کیونکہ اگر وہ باہر جائیں گے۔ تو انھیں باہر کے کرۂ ہوائی میں سانس لینا پڑے گا جس میں ہر طرح کے امراض کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔"
نریندر گھوش نے مسکرا کر کہا۔ "مس سیما آپ خوبصورت ہی نہیں عقلمند بھی ہیں۔"
سیما اس فقرے پر شرما سی گئی۔
نریندر گھوش نے اپنا بیان جاری رکھا۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اس فیکٹری میں کام کرنے والے کبھی اس تہ خانے سے باہر نہیں جاتے۔ اُنھیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ اور ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس میلوں تک پھیلے ہوئے تہ خانے کے اندر بہتر سے بہترین زندگی کے آرام و آسائش کے سامان مہیا کر دئے گئے ہیں۔ یہ خوبصورت پارک جو آپ دیکھتی ہیں۔ یہ فیکٹری کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔"
"اس فیکٹری میں کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔" سیما نے نریندر کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ "میرا مطلب نقلی انسانوں سے نہیں ہے۔"
نریندر ہنسا۔ اب وہ دونوں ایک فوارے کے قریب سے گزر رہے تھے جس کے چاروں طرف شفاف جیڈ کا چبوترا بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر ایک پاؤں رکھ کے

نریندر بولا ــــ اس فیکٹری میں کل دس آدمی کام کرتے ہیں۔"
"کل دس آدمی۔؟" سیما نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔
"ہاں۔ کل دس آدمی۔"
"اور دس آدمی سال میں کتنے نقلی انسان تیار کرتے ہیں۔؟"
"ساٹھ لاکھ۔"
"ساٹھ لاکھ نقلی انسان۔؟" ناممکن۔" سیما تعجب اور حیرت اور شک و شبہے سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
"ہماری فیکٹری مکمل طور پر آٹومیٹک ہے یعنی ۹۷ فیصدی آٹومیٹک۔۔۔ صرف تین فیصدی کام ایسا ہے جو یہ دس آدمی کرتے ہیں۔ باقی کام کمپیوٹر اور مشینیں کرتی ہیں۔
"ان دس آدمیوں میں چھ تو پرانے پروفیسر ہیں۔ جن کے نام ساری دنیا میں مشہور ہیں۔" سیما نے کہا۔" باقی چار کون ہیں؟"
"ایک تو میں ہوں۔ میں نقلی انسان کی جلد بنانے کا ماہر ہوں۔ مگر اپنی مکمل مہارت کے باوجود میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں ایسی شفاف جلد تیار نہیں کر سکتا۔ جیسی آپ کے چہرے کی ہے۔ آپ کی صورت اس تواریخی ملکہ شیبا سے کچھ کچھ ملتی ہے۔"
سیما نے کسی قدر شرما کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ آپ نے اپنا نام کیا بتایا۔؟"
"میرا نام تو نریندر گھوش ہے۔ مگر یہاں سب لوگ پیار سے مجھے بادل کہتے ہیں۔"
"بادل۔ واقعی پیارا نام ہے۔" سیما بولی۔" مگر تعجب ہوتا ہے۔ کہ بادل نام رکھنے والے نوجوان نے آج تک سچ مچ کے بادل نہیں دیکھے۔ سورج کو چمکتے نہیں دیکھا۔ چاند کی روشنی کو چٹکتے نہیں دیکھا۔ شفق کو پھیلتے نہیں دیکھا۔ اس گہرے سناٹے کو محسوس نہیں کیا۔

جو گہری ہوتی ہوئی شام کے سایوں میں کسی سمندری ساحل کے کنارے بیٹھکر محسوس ہوتا ہے۔"

"ممکن ہے یہ میری بدقسمتی ہو۔ مگر جو چیزیں میں نے دیکھی نہیں۔ جن کا مجھے احساس نہیں اُن کی مجھے حسرت بھی نہیں۔ ہاں اتنا میں سوچ سکتا ہوں آپکو دیکھ کر کہ اگر آپ کو کبھی دیکھا نہ ہوتا۔ تو قدرت کے ایک شاہکار سے محروم رہ جاتا۔"

سیما کے گالوں پر حیا کی ایک سرخی دوڑ گئی۔ پھر ان لالہ گوں رخساروں پر گھری لانبی پلکوں کی رات چھا گئی۔ چند لمحوں کے بعد جب سیما نے پلکیں اُٹھا کر بادل کی طرف دیکھا۔ تو بادل کو ایسا لگا۔ جیسے اس کے دل کے کونے کونے میں روشنی کے فوارے سے ابلنے لگے۔ اس طرح اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یکایک یہ کیا ہو گیا۔

سیما نے بات کا رُخ پلٹتے ہوئے کہا۔" آپ کی اس فیکٹری میں کتنی عورتیں کام کرتی ہیں؟"

"ایک بھی نہیں۔

"ایک بھی نہیں۔؟" سیما نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں ایک بھی نہیں۔ ان دس سائنسدانوں میں جو یہاں کام کرتے ہیں۔ جن میں آپ میرا نام بھی شامل کر سکتی ہیں۔ ایک بھی سائنسداں عورت نہیں ہے۔"

"یہ کیوں؟"

"میرے والد پروفیسر گھوش۔ اور انکے ساتھی۔ ذرا پرانے خیال کے آدمی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورت بہت دیر تک کوئی راز چھپا نہیں سکتی۔"

سیما زور زور سے ہنسنے لگی۔ بولی۔ "آپ کی فیکٹری کے سائنس داں بیحد دقیانوسی معلوم ہوتے ہیں۔ اُنھیں کیا معلوم کہ آج کل کی لڑکیوں کے سینے میں اتنے راز محفوظ رہتے ہیں۔ جتنی عقل مردوں کے دماغ میں نہیں ہوتی۔"

"میں آپ کی بات کا یقین کر سکتا ہوں۔" بادل بولا۔ گو مجھے صنفِ نازک کے احساسات اور نفسیات کا کچھ علم نہیں ہے۔ مگر آیئے۔ پہلے میں آپ کو فیکٹری کے اندر تو لے چلوں۔۔۔

"کیا آپ مجھے ساری فیکٹری دکھائیں گے؟" سیما نے پوچھا۔

"یہ سوال آپ نے کیوں پوچھا۔" بادل نے جواباً پوچھا۔

"کیونکہ اس فیکٹری میں عورتوں کے خلاف اس قدر تعصب پایا جاتا ہے۔"

"یہ درست ہے کہ پہلے سیّاح عورتوں کو فیکٹری دکھائی نہیں جاتی تھی لیکن چند سال سے عورتوں کے شدید احتجاج پر فیکٹری کے چند حصے انھیں دکھائے جاتے ہیں۔ اس پر بھی فیکٹری کے چند حصے ایسے ہیں جو عورت تو کیا کوئی سیّاح مرد بھی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن۔" یہاں تک پہنچ کر بادل رک گیا۔ اور مسکرا کر سیما کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ صدرِ محترم کی بیٹی ہیں۔ آپ فیکٹری کے ہر حصّے کو دیکھ سکیں گی۔ سوائے اس سیکشن کے جس میں نقلی انسان کا دماغ تیار کیا جاتا ہے۔ اس سیکشن کا نام اس قدر راز داری سے ہوتا ہے کہ مجھے بھی وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف تین سائنسداں۔ دس میں صرف تین سائنسداں اُس سیکشن میں جا سکتے ہیں۔ ایک میرے والد ڈاکٹر گھوش دوسرے پروفیسر جاوید ملک جو الیکٹرانکس کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ اور تیسرے پروفیسر

پاٹل۔ اس کے علاوہ دماغی سیکشن میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے امید ہے آپ اس سیکشن کو دیکھنے پر اصرار نہیں کریں گی۔"

"ٹھیک ہے آپکی فیکٹری کے قوانین کا احترام مجھ پر لازم ہے چلئے....."

فوارے سے دو قدم چل کر سیما نے یکایک "ارے" کہا۔ اور رک گئی۔ پھر اپنا ایک پاؤں جیڈ کے چبوترے پر رکھ کر کہنے لگی۔ "میری سینڈل کا بکل کھل گیا ہے۔"

وہ اپنے پاؤں کی طرف جھکنے لگی تھی۔ کہ بادل نے فوراً جھک کر اس کے سینڈل کا بکل اچھی طرح سے کس دیا۔ بکل کستے وقت اس کی نگاہ سیما کے موزوں ٹخنوں پر پڑی۔ جن پر سونے کی ایک ہلکی سی جھانجھر پڑی تھی۔ جب بادل جھک کر بکل ٹھیک کر رہا تھا۔ اس وقت اس نے محسوس کیا کہ سہارا لینے کے لئے چند لمحوں کے لئے سیما نے اپنے ہات اسکے کندھے پر رکھدیا ہے۔

پھر جب وہ بکل ٹھیک کر کے سیدھا ہوا تو سیما نے اپنا ہات ہٹا لیا۔ اور آہستہ سے کہا۔ "تھینک یو۔"

وہ بادل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اور چلتے چلتے اس کے پاؤں کے سنہری جھانجھوں کی موسیقی ایک دلنواز لے کی طرح بادل کے دل میں گونجنے لگی۔

تیسرا باب

بادل اسے سب سے پہلے اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں لے گیا۔ یہاں تین دیواروں سے لگے لگے تین مہیب اور جدید کمپیوٹر کام کر رہے تھے۔ دنیا بھر سے نقلی انسانوں کی جو بڑھتی ہوئی مانگ آتی تھی اور جتنے نقلی انسان اس فیکٹری سے بھیجے جاتے تھے اور ان کے متعلق جتنی رسیدیں آتی تھیں، جتنی شکایتیں آتی تھیں۔ جتنا روپیہ آتا تھا۔ لاگت پر جتنا خرچ ہوتا تھا۔ سب کا حساب کتاب یہیں ہوتا تھا۔

تین کمپیوٹروں پر تین آدمی کام کر رہے تھے۔ اور دنیا بھر میں جتنی نقلی انسانوں کی سپلائی ہوتی تھی۔ وہ انہی تین کمپیوٹروں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اور اربوں کھربوں روپے کا حساب کتاب چند منٹوں میں ان کمپیوٹروں کے ذریعے ہو جاتا تھا۔

بادل نے سیما کو ان تین آدمیوں سے ملایا "یہ ولیم جیگر ہیں۔ جرمنی کے مشہور کمپیوٹر سائنسداں۔"

ساٹھ سالہ ولیم جیگر کی داڑھی بھوری تھی اور وہ چشمہ پہنے ہوئے تھی —— اور اس کے مضبوط ہاتھوں کے لمس کو سیما نے محسوس کیا۔ اس لمس میں ریاضیات کی سی قطعیت تھی۔

دوسرا آدمی ایک ایک عصری سائنسداں تھا۔ گول مٹول۔ اور ہر وقت مسکراتا ہوا۔ چالیس برس کے قریب اسکی عمر ہوگی۔ بغیر فریم کا چشمہ پہنے ہوئے آگے بڑھا۔ اور اس نے بھی بڑی گرمجوشی سے سیما سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں شیخ مقصود ہوں۔"

تیسرا آدمی خاکی پتلون اور کھلے کالروں والی خاکی قمیص پہنے جس کے اوپر کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا تھا۔ اور جو زیادہ سے زیادہ پینتیس برس کا ہوگا۔ بے حد ورزشی جسم معلوم ہوتا تھا اس کا اور بازوؤں پر کلائی تک گھنے بال تھے۔ اور داڑھی رخساروں سے چپکی ہوئی تھی۔ جب وہ چلتا تھا تو اس پر چیتے کی چال کا شبہ ہوتا تھا۔ اس نے سلیٹی رنگ کی ایک پگڑی پہن رکھی تھی۔

ہارڈل بولا۔ "ان سے ملو۔ یہ بلونت سنگھ ہیں۔ کمپیوٹروں کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ ویسے دوسرے کام بھی کرتے ہیں۔ چاند پر جتنے کمپیوٹر جاتے ہیں ان کا حساب کتاب بھی رکھتے ہیں۔"

کمپیوٹروں کی روشنیاں کبھی بجھتی تھیں۔ جلتی تھیں۔ لرزتی تھیں۔ کبھی گھرر گھرر کی آواز آتی تھی۔ کبھی اندر ہی اندر مشینی کھٹکا ہوتا۔ اور کمپیوٹر کے ایک سرے سے کاغذ کا ٹائپ شدہ فیتہ نکلنے لگتا۔

سیما نے پوچھا۔ "کیا میں اس فیتے کو دیکھ سکتی ہوں؟"

"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔" ولیم جیگر نے مسکرا کر کہا۔

سیما نے فیتہ ہاتھ میں لیا۔ جو اس کے ہاتھ میں لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ اور ایک فیتہ دوسری مشین میں آہستہ آہستہ گھستا چلا جا رہا تھا۔

سیما نے پڑھا۔ "کریٹر کازی کے لئے چاند پر دو ہزار نقلی انسان تین نمبر والے

درکار ہیں۔ جلد بھیجو۔ مال کی سپلائی ایک ہفتے کے اندر ہو جانی چاہیئے۔ فرانز راکٹ نمبر ایک اون سپلائی لے کر جائے گا۔ ڈلاس (امریکہ) کے سب سے بڑے ہلٹن گلوریا ہوٹل کے لئے پانچ ہزار ویٹر ٹائپ کے نقلی انسان بھیجے گئے تھے۔ وکاس جیٹ نمبر ۱۴۱۳ سے دس نقلی انسان ویٹر ٹائپ کی جگہ منیجر ٹائپ کے نکلے سمجھ میں نہیں آتا یہ غلطی کیسے ہوئی۔ چیک! لفٹ بنساجیٹ فیکٹری پٹسبرگن کے لئے پانچسو انجینئر ٹائپ نقلی انسان، دس ہزار نمبر چار ٹائپ نقلی انسانوں کی ضرورت ہے۔ مال بحری جہاز گوریلا فرسٹ اوگر پر لدوا دیا جائے۔ سات تاریخ کو انڈمان بندرگاہ پر ہمارا جہاز پہنچ جائے گا۔ ڈپٹی منیجر فرڈ نذر اسچان....

ڈبل کائی ٹو ٹیکسٹائل مل کے لئے تیس ہزار نقلی انسان نمبر سات۔ مال گاڑی نمبر دو سو آٹھ سے بھیجے جا چکے ہیں۔ رسید آ گئی ہے۔ مگر مال کی قیمت ابھی وصول نہیں ہوئی چیک۔

"کیا آپ مختلف طرح کے انسان بناتے ہیں۔؟"

"انسان نہیں نقلی انسان۔ ولیم جیگر نے کہا۔

"ساری! میں یہی پوچھنا چاہتی تھی!"

"جی ہاں۔" جیگر نے جواب دیا۔ "ویسے ان باتوں کے متعلق صحیح سائنسی معلومات تو ہماری فیکٹری کے جنرل منیجر مسٹر گوش ہی دے سکیں گے لیکن آپ کا سوال عام نوعیت کا ہے۔ اس لئے اس کا جواب دینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" بلاشبہ ہم یہاں مختلف طرح کے نقلی انسان بناتے ہیں۔ کیونکہ مختلف صنعتوں کے لئے مختلف جسم کے مزدوروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو مزدور ٹیلی ویژن فیکٹری میں کام کرتا ہے اس کا کام اور اسکی

ذہانت اور اس کی انگلیوں کی ساخت تک اس مزدور سے الگ ہو گی۔ جیسے ہم ٹیکسٹائل فیکٹری میں بھیجیں گے یا۔ جیسے مٹی ڈھونے کے کام پر لگایا جائے گا۔ پھر ایک عام مزدور نقلی انسان اور ایک انجینیر قسم کے نقلی انسان کی ذہانت اور دماغی کیفیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ گو ہم بہت زیادہ ذہین قسم کے نقلی انسان نہیں بناتے۔ زیادہ تر مانگ نمبر چار۔ نمبر پانچ نمبر چھ اور سب سے آخر میں اور سب سے زیادہ مانگ نمبر سات قسم کے مزدور قسم کے نقلی انسان کی ہے۔ جس میں ایک عام انسان کی سی سوجھ بوجھ ہوتی ہے۔ مگر جس کے ہات پاؤں میں عام انسان سے دگنی طاقت ہوتی ہے اور یہ نقلی انسان بغیر کچھ کھائے پیئے اور بغیر تنخواہ کے تیس برس تک فیکٹری میں کام کر سکتا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کیسے یہ نقلی انسان جو اصلی انسان سے اس قدر مشابہ ہے۔ اور اس قدر اس سے مختلف ہے۔ آپ لوگوں نے تیار کیسے کر لیا؟"

"اس کا فارمولا مسٹر گھوش کے سیف میں محفوظ ہے۔" شیخ مقصود نے کہا۔

"اور مکمل فارمولا صرف دو آدمی جانتے ہیں۔" بلونت سنگھ بولا۔ "ایک مسٹر گھوش دوسرے پروفیسر پاٹل۔ ہم لوگ تو یہاں صرف حساب کتاب رکھتے ہیں۔ اور حساب کتاب رکھنے والے کمپیوٹروں کی مرمت کرتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی نقص پیدا ہو جائے۔"

"میرے دماغ میں اتنے سوال بھرے ہوئے ہیں۔ اتنے سوال ابھر رہے ہیں... کہ..... کہ..... کہ۔" سیما کچھ ٹھٹھک کر ہنسی۔

بادل نے اس کا ہات پکڑ کر مسکرا کر کہا۔ "یہ ڈیپارٹمنٹ تو عام کمپیوٹروں والا محکمہ ہے۔ جیسا تم نے شاید طہران میں بھی دیکھا ہو گا۔"

"کمپیوٹر تو میں نے بہت دیکھے ہیں۔" سیما بولی۔ "لیکن ایسے عجیب دیوزاد کمپیوٹر

میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ لگتا ہے کسی غیر معمولی سیارے کی غیر معمولی مخلوق ہیں۔۔۔۔

"محض انسانی تخلیق ہیں۔" بادل بولا۔ "اب چلو میں تمھیں اپنے پتاجی کے کمرے میں لے چلتا ہوں۔ بعد میں فیکٹری دکھاؤں گا۔ قاعدے سے سب سے پہلے ہمیں وہیں جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ تمہارے دل میں جتنے سوال اُبھر رہے ہیں۔ ان سب کا جواب اور شافی جواب وہی دے سکتے ہیں۔

سیما نے دھیرے سے اپنا ہات بادل کے ہات سے چھڑا لیا۔ پھر اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ بادل کے چہرے پر اس کے ہات چھڑانے کی وجہ سے پھیلتی ہوئی مایوسی دیکھ سکتی تھی۔ اس سے اسے کوئی مسرت نہیں ہوئی۔ جو عام لڑکیوں کو کسی مرد کا دل جیتنے پر ہوتی ہے۔ وہ اتنی حسین تھی۔ اور اس پر گرویدہ ہونے والے نوجوانوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ اب اسے اپنے حسن کی ناقابل بیان گرفت سے مسرت کے بجائے ایک کوفت سی ہوتی تھی۔

اپنے دل کے اندر میں ایک معمولی سی لڑکی ہوں۔ کاش کہ کوئی اس معمولی سی لڑکی سے محبت کر سکتا۔ سبھی میرے حسن پر مرتے ہیں۔

سیما اور بادل جب ایکاونٹس ڈیپارٹمنٹ سے نکلے۔ تو دروازے سے باہر کھڑے ہوئے دو چپراسیوں نے انھیں سلام کیا۔ سیما نے نہایت خندہ پیشانی سے انھیں سلام کا جواب دیا۔ دونوں چپراسی بے حد بارعب نظر آتے تھے۔ قد چھ فٹ سے اوپر نکلتا ہوا۔

"یہ دونوں چپراسی کہاں سے آئے ہیں۔؟" سیما نے پوچھا۔

"مجھے تو پنجاب کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں۔ اسی فیکٹری میں تیار کئے گئے ہیں۔"

"یہ نقلی انسان ہیں۔؟" سیما نے ٹھٹھک کر تعجب سے انھیں دیکھا۔

"ہاں یہ نمبر سات قسم کے نقلی انسان ہیں۔ ہماری فیکٹری میں زیادہ تر انہی انسانوں کی کھیپ تیار ہوتی ہے۔"

"بلاشبہ۔" بادل نے جواب دیا۔

سیما نے ان سے ہاتھ ملایا۔ ان کے بازوؤں کی ابھرتی ہوئی مچھلیوں کو ٹٹولا۔ ہنس کر بولی۔ "مجھے بناتے ہو یہ تو گوشت پوست کے انسان ہیں۔"

"نقلی گوشت کے۔" بادل نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر"

بادل نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ سیما خاموش ہو گئی۔

ایک لمبی غلام گردش میں سے گزرتے ہوئے بادل نے آہستہ سے کہا۔ "ہم ان لوگوں سے زیادہ بات نہیں کرتے صرف حکم دیتے ہیں۔"

لمبی غلام گردش سے گزر کر وہ ایک چوکور ہال میں پہنچے۔ جس کے چاروں طرف لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ لفٹیں تہ خانے کی اوپر کی منزلوں کو جاتی تھیں۔ روشنی اور ہوا کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ اور ہر جگہ مرکزی طور پر ایر کنڈیشنڈ تھی۔

لفٹ نمبر گیارہ کے قریب پہنچ کر بادل نے ایک بٹن دبایا۔ چند لمحوں کے بعد لفٹ نیچے آئی۔ اس میں سے وردی پوش ایک لفٹ مین نکلا۔ اس نے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔ "کونسی منزل۔؟"

"سترھویں۔" بادل نے جواب دیا۔

وردی پوش لفٹ مین نے مڑ کر ایک بٹن دبایا۔ اس لفٹ مین کے بڑے بڑے

گال پچکے تھے۔ اور رنگ تانبے کا سا تھا۔ اور آنکھیں بھوری اور ماتھا چوڑا جس پر بھورے بال پیچھے کو مڑے تھے۔

لفٹ مین نے لفٹ کے دونوں دروازے بند کئے لفٹ خود بخود اوپر چلنے لگی۔

سیما نے سرگوشی میں بادل سے پوچھا۔

"اب تم کہو گے یہ بھی نقلی انسان ہے؟"

"بلاشبہ۔"

"حیرت ہے" سیما بولی۔ "یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا ہمارے طہران کی لفٹ چلانے والا ہوتا ہے۔"

"جی ہاں۔" بادل نے جواب دیا۔ ہم نے اس لفٹ مین کو اسی ڈیزائن پر بنایا ہے۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔" سیما بولی۔

بادل بولا۔ "یہاں جو بھی آتا ہے۔ اسے یقین نہیں آتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں سے اصلی انسان ہی ترتیب دے کر بھیجتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ لوگ بالکل نقلی انسان ہیں۔

"مگر میرا شبہ کیسے دور ہوگا۔؟"

"جب آپ ہمارے جنرل مینیجر سے ملیں گی۔" بادل بولا۔ "ویسے میں بھی بتا سکتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ آپ نقلی انسان کے اصلی موجد سے مل کر اُسی کی زبان سے سب باتیں سُننا پسند کریں گی۔"

سترھویں منزل پر جا کر لفٹ مین نے لفٹ روک دی۔ دونوں دروازے کھولے اور جھک کر سلام کیا۔ جس کا سیما نے ملے جلے حیرت اور شبہ سے جواب دیا۔

اتنے میں بادل نے پھر سیما کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ بولا۔ "اُدھر نہیں۔ ادھر میرے

ساتھ آؤ۔"

وہ سیما کو لے کر مغربی کونے کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔
یہ جنرل مینجر اجے گھوش کا کمرہ تھا۔

چوتھا باب

دروازے کے اندر داخل ہو کر پہلے ملاقاتیوں کے بیٹھنے کا کمرہ آتا تھا۔ یہاں پر پہلے ہی سے بہت سے ملاقاتی بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر کے دروازے کے باہر ایک باوردی ملازم کھڑا تھا۔ جس کی وردی نیلی تھی۔ نیلی پتلون اور نیلی قمیص۔ لیکن قمیص کے کف اور کالر سفید رنگ کے تھے۔ جو اُسے دوسرے ملازموں سے ممتاز کرتے تھے۔ اس کا نام بچن سنگھ تھا۔ بادل کو پہچان کر وہ ذرا آگے بڑھا۔ اور پوچھنے لگا۔

"یس مسٹر نریندر گھوش۔ کیا صدر محترم کی دختر تشریف لے آئی ہیں۔؟"

"ہاں بچن سنگھ۔" نریندر گھوش نے ایک کارڈ بچن سنگھ کے ہات میں تھماتے ہوئے کہا۔" اسے فوراً اندر لیجاؤ۔"

"اندر لیجانے کی ضرورت نہیں ہے۔" بچن سنگھ نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔ "جنرل منیجر کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

انھوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ جیسے ہی آپ صدر محترم کی بیٹی کو لے کر آئیں۔ آپ دونوں کو ان کے دفتر کے اندر پہنچا دیا جائے۔"

اتنا کہہ کر بچن سنگھ نے اندر کا دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ اور خود باہر کھڑا

رہا۔ بادل سیما کو لے کر اندر چلا گیا۔
دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

جنرل منیجر اجے گھوش کی عمر کوئی پینسٹھ برس کی ہو گی۔ اس کا ماتھا بیحد فراخ اور بے ریش و بروت تھا۔ کنپٹیوں پر بال تھے۔ لیکن ان پر سفیدی چھانے لگی تھی۔ اسکا چہرہ پر وقار اور سنجیدہ اور سانولا تھا۔ خد و خال میں منگولیائی رنگ جھلکتا تھا۔ وہ ایک بڑی میز کے پیچھے ایک گھومنے والی کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کی میز پر سات ٹیلی فون تھے۔ اور اس کے میز کے دائیں طرف ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی شارٹ ہینڈ میں نوٹس لے رہی تھی۔

جنرل منیجر گھوش کہہ رہا تھا۔" برائے سیکشن نمبر ۳ سیکشن منیجر اوپن ہائیمر۔ پیرس ڈیون فان فیکٹری کو ہم نے پانچ سال کی گارنٹی دی تھی۔ مگر چار سو مزدوروں کے بازو دو سال میں ہی ٹوٹ گئے ہیں۔ بحری جہاز " روڈ مان " ٹوٹے ہوئے نقلی انسانوں کو لے کر آ رہا ہے اوپن ہائمر کو معلوم کرنا چاہیئے کہ مال میں خرابی کیوں اور کیسے واقع ہوئی۔ کیا فیکٹری سے خراب مال بھیجا گیا۔ یا انھیں فیکٹری میں زیادہ استعمال کرنے اور نقلی انسانوں کو آرام نہ پہنچانے سے یہ بازو ٹوٹ گئے۔"

" لکھ لیا شیلا " ۔۔۔ جنرل منیجر نے پوچھا۔
" دوسرے نوٹس کے لئے تیار ہو۔؟"
" جی ہاں۔"

"ارے بادل۔" ایکا ایک جنرل منیجر نے اپنی کرسی پر گھوم کر سیما اور بادل کو دیکھا۔ اور اپنی کرسی سے اُٹھ کر نیم دائرے والی میز سے باہر نکل کر آیا۔ اور سیما سے ہات ملاتے ہوئے کہنے لگا۔ "خوش آمدید مس سیما.... تشریف رکھئے — مجھے ایک ضروری نوٹ بھیجنا ہے بس دو منٹ لوں گا۔ پھر جی بھر کے آپ سے باتیں ہونگی۔"

وہ پھر اپنی خوبصورت اسٹینو ٹائپسٹ لڑکی کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔

"تیار ہو شیلا۔"

"جی ہاں۔"

"لکھو۔ برائے وزیر اعظم برازیل۔ آپ کا نوازش نامہ صادر ہوا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس سال بھی آپکے کافی کے باغات میں کام کرنے کے لئے پانچ لاکھ نقلی انسان تیار کر کے بھیج نہ سکیں گے صرف تین لاکھ ہی بھیج سکیں گے۔ ہم نے پچھلے خط میں ۵ لاکھ کا وعدہ کیا تھا۔ آپ کے شدید اصرار پر تین لاکھ نقلی انسان تیار کرا کے ستمبر کے مہینے کے آخر تک بھیج دئے جائیں گے۔

آپ کا

مخلص

اجے کمار گنویش

"لکھ لیا شیلا"؟

"جی ہاں۔"

"تو اب تم باہر جا سکتی ہو..... مس سیما اور ڈراما آپ میرے قریب اس کرسی

پر بیٹھ جائیے۔"

جب شیلا باہر چلی گئی۔ تو اس کی کرسی کو پروفیسر گھوش نے اپنے قریب گھسیٹ کے اس پر سیما سے بیٹھ جانے کو کہا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ملاتے ہوئے مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"مشکل سے چودہ برس کی عمر ہو گی آپ کی؟"

"نہیں۔" سیما احتجاج کرتے ہوئے بولی۔ "میں سولہ برس کی ہوں۔ سائنس میرا خاص موضوع رہا ہے۔"

"سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔؟"

"نہیں۔ میں صدر محترم کے خاص راکٹ سے یہاں پہنچی ہوں!"

"میرے لائق کوئی خدمت۔؟"

"ظاہر ہے میں فیکٹری دیکھنا چاہونگی۔ اگر آپکو کوئی زحمت نہ ہو یا اعتراض نہ ہو۔"

"نقلی انسانوں کی تخلیق کا عمل ایک خفیہ عمل ہے۔ جسے ہم کسی کو نہیں بتا سکتے۔ عام طور پر ہم فیکٹری کے بہت سے ڈیپارٹمنٹ کسی کو نہیں دکھاتے بس دوچار شعبے دکھلاکے ٹال دیتے ہیں۔ مگر آپ کا معاملہ دوسرا ہے۔ آپ صدر محترم کی بیٹی ہیں۔ میرا بیٹا نریندر گھوش جو خود ایک بہت اچھا سائنسدان ہے۔ آپ کو فیکٹری کے بہت سے ایسے شعبے دکھا دے گا۔ جو ہم نے آج تک کسی کو نہیں دکھائے۔ مگر میں اُمید کرتا ہوں آپ مکمل رازداری سے کام لیں گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔ اور ایک سوال بھی پوچھنا چاہونگی۔"

"فرمائیے۔"

"آپ کو نقلی انسان بنانے کا فارمولا کیسے ہاتھ آیا۔؟"

پروفیسر گھوش بولے۔"میں دراصل انڈمان جہاز پر بحری زندگی کے مطالعہ پر مامور تھا۔ اسی زمانے میں انڈمان کے ارد گرد کے ساحلی علاقوں کی سمندری تہوں پر کام کرتے کرتے اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ قدرت نے انسانی گوشت بنانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے کیا اس سے الگ ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ ایجاد نہیں ہو سکتا؟ ظاہر ہے قدرت بھی کئی طریقوں سے زندگی کے خلیے بناتی ہے۔" پروفیسر گھوش سیما کو سمجھانے لگے۔

"درختوں کے تنوں اور شاخوں میں جانداروں کا سُرخ لہو نہیں دوڑتا۔ مگر ہم انھیں بھی زندگی میں شمار کرتے ہیں۔ اگر کسی اور طریقے سے انسانی گوشت بنایا جا سکے؟" ذرا سوچیے مس سیما چھوٹے چھوٹے ٹسٹ ٹیوبوں میں بحری زندگی کا پلانہ ما آزماتے ہوئے۔ ایک معمولی گھونگھے کے بدن سے لے کر انسان کی تعمیر تک پہنچ جاتا۔ مگر کسی دوسرے طریقے سے پہنچ جانا۔ کسقدر مشکل اور صبر آزما کام تھا۔ مگر:.....

پروفیسر گھوش رک گیا۔ کیونکہ اس کی میز پر ایک گھنٹی بج رہی تھی۔ پروفیسر گھوش نے ڈکٹافون اٹھا کر کہا۔" نہیں۔ اس وقت مجھے کسی سے ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ میں کانفرنس میں ہوں۔"

ڈکٹافون رکھ کر اس نے ایک لمحے کے لئے سیما کی طرف دیکھا یا دل بور ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گیا تھا۔

پروفیسر گھوش خاموشی سے سیما کو گھورے جا رہا تھا۔

سیما بولی۔ "تو پھر کیا ہوا"؟

"پھر میرے سامنے یہ سوال آیا۔ کہ اس ٹسٹ ٹیوب میں بھرے ہوئے مادّے سے زندگی کو کیسے ابھارا جائے اور گوشت اور ہڈی اور رگیں اور نسیں۔ گلینڈ اور ہارمون ۔ کیا آپ سمجھ رہی ہیں؟"

سیما ہنس کر بولی "زیادہ تو نہیں۔ مگر بے حد دلچسپ کہانی ہے۔"

"آپ کے لئے کہانی ہوگی۔ مگر یہ میری کُل زندگی کی روداد ہے۔ ڈھیر سے ڈھیرے تجربے کرتے ہوئے میں اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں میں ایک ایسا انسان بنا سکتا تھا۔ جس میں ٹیگور کی سی شاعری ہو۔ اور آئنسٹائن کا سا دماغ ہو۔ یا ایک ایسا کیڑا جو پچاس فٹ لمبا ہو۔ اور سقراط کی سی سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔ جو نقلی مادّہ میں نے تیار کیا اس میں زندہ رہنے کی ایسی قوت تھی۔ کہ دوسرے مادوں اور این زائم سے مل کر نئی قسم کی تخلیق کی طرف راغب کیا جا سکتا تھا۔ انسانی گوشت اور خون اور ہڈی اور مادّہ دوسرے مادوں کے ساتھ لگانے سے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا دل لگانے کی سرجری اسی لئے اکثر ناکام ہوتی ہے کہ جسم دوسرے گوشت کو اپنے اندر پیوند کاری سے انکار کرتا ہے۔

"اس میں تو راز کی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دوسروں کو معلوم نہ ہو۔ اب تو ساری دنیا جانتی ہے۔ اسی لئے ہم نے پلاسٹک کے دل تیار کئے ہیں۔ جنہیں ہمارا جسم رد نہیں کر سکتا۔ یہ ایسا کون سا بھید ہے جسے لوگوں سے چھپایا جا سکے۔ یا جس کو کسی کو نہ بتلانے کے لئے میں مجہول قسم کی قسمیں کھانے پر بھی مجبور کی جاؤں۔"

"بلاشبہ اس میں راز کی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر راز صرف اتنا ہے کہ ٹسٹ ٹیوب

میں نقلی خون اور گوشت بنانے پر ہی صبر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں انسان بنانا چاہتا تھا۔ انسان۔!"

"انسان؟"

"ہاں تقریباً۔ اسی لئے میں نے اپنے تجربے شروع کئے۔ شروع شروع میں سخت ناکامی سے واسطہ پڑا۔ پہلا انسان جو میں نے بنایا۔ اس کی صورت الّو سے ملتی جلتی تھی۔ وہ صرف تین دن تک زندہ رہا۔ پھر میں ایک لنگور نما انسان بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس کی دم بھی تھی۔ اس موقعے پر اپنے دوست پروفیسر پاٹل سے مجھے اچانک مدد مل گئی۔ پاٹل کا دماغ سائنسداں کے بجائے ایک انجینیر کا دماغ ہے اس نے مجھے سمجھایا کہ انسان کے اندرونی جسم کی مشینری بہت پیچیدہ ہے۔ اور بعض حالتوں میں بیحد نقصان دہ بھی ہے۔ ہمیں انسان۔ یعنی اپنے نئے انسان کو بنانے کے لئے یہ بھی سوچنا ہو گا۔ کہ اس کے اندر بہت سے اعضا ایسے ہیں جن کی نئے انسان کو ضرورت نہ ہو گی۔ یعنی اگر ہم معاشی نقطہ نگاہ سے دیکھیں۔ تو فیکٹری میں کام کرنے والے مزدور کے لئے معدے کی کیا ضرورت ہے جگر اور سینے اور گردے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں دل کی ضرورت ہے۔ جو رگوں میں خون دوڑا سکے۔ دماغ کی ضرورت ہے جس سے وہ سوچ سکے۔ ہڈیاں ریڑھ کی ہڈیاں۔ ہات پاؤں سینے کی قوت۔ بولنے کی قوت دیکھنے کی قوت۔ سونگھنے کی قوت کی ضرورت ہے۔ مگر چکھنے کی قوت کی کیا ضرورت ہے۔ بولنے کے لئے زبان ضروری ہے۔ مگر حس ذائقہ بیکار ہے۔ معدے کو نکال دینے سے بہت سے فضول اعضا خود بخود نکال دینے پڑے۔ جس سے نقلی انسان بنانا منافع بخش اور سائنسی اعتبار سے بہت کامیاب ہو گیا۔ یوں سمجھئے کہ ہم نے اصلی انسان کو ماڈل قرار دیکر

اس کے جسم میں مناسب تبدیلیاں کر دیں۔“ پروفیسر گھوش کہتے کہتے رک گیا۔

”کہیں آپ بور تو نہیں ہو رہی ہیں؟“

”جی نہیں۔ یہ موضوع میرے لئے بہت دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔“

”شاید، آپ کے لئے چائے منگواؤں؟ ہوں؟“

”اچھا۔ پی لونگی۔“

”ساتھ میں کیا کھائیے گا۔؟“ بادل نے اب گفتگو میں دخل دیا۔ اب تک وہ بالکل چپ بیٹھا تھا۔

”مجھے چائے کے ساتھ پنیر کی پھلکیاں پسند ہیں بیسن میں تلی ہوئی۔“ سیما نے کہا۔

پروفیسر گھوش نے بٹن دبایا۔ شیلا اندر آگئی۔ پروفیسر گھوش نے اسے چائے اور پنیر کی پھلکیاں منگوانے کو کہا۔ شیلا انتظام کے لئے پھر باہر چلی گئی۔

سیما نے سوال کیا۔ ”تو کیا آپ کے نقلی انسان خوش رہتے ہیں۔ رنجیدہ ہوتے ہیں، سیر کو جاتے ہیں۔ گانا گاتے ہیں۔ ناچتے ہیں۔“

”یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں۔ اور صرف انسان کو زیب دیتی ہیں۔ مس سیما کیا آپ ستار بجاتی ہیں۔؟“

”جی ہاں۔“ مجھے ستار [illegible]

”بہت خوب۔ ایک دن سوال کا [illegible] ستار بجا تو نہیں سکتا۔ لیکن ستار سننے کا مجھے بہت شوق ہے۔“ پروفیسر گھوش بولا۔ ”ہاں مگر پہلے میں آپ کے سوال کا جواب دیدوں۔“

”ستار بجانا آپ کے لئے ٹھیک ہے۔ مگر ایک کام کرنے والی مشین کو ستار سے

دلچسپی نہ ہونی چاہیئے۔ اسے رنج و غم سے کیا مطلب۔ خوشی اور مسرت اس کے کس کام کی۔ پٹرول سے چلنے والی مشین اگر آپ کی طرح چوڑیاں اور کنگن پہن کر بیٹھے تو کتنا عجیب معلوم ہوگا۔ اس لئے یہ کبھی نہ بھولیے کہ ہم نقلی انسان فیکٹریوں اور کارخانوں اور دفتروں میں کام کرنے کے لئے بناتے ہیں۔ بزم نشاط سجانے کے لئے نہیں"۔

پروفیسر گھوش نے سیما کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے سیما کے چہرے پر بیزاری اور انقباض کے آثار نمودار ہوئے ہیں وہ مسکرا اٹھا بولا۔

"مس سیما کیا آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟"

آپ کے خیال میں سب سے اچھا مزدور بھلا کون ہو سکتا ہے؟؟

سیما نے سوچ سوچ کر کہا ــــ "اچھا مزدور میرے خیال میں وہ ہوگا جو دیانت دار ہو اور محنتی ہو"۔

"اور سب سے سستا بھی ہو" ــــ پروفیسر گھوش چلا اٹھا "سب سے سستا بھی ہو۔ اور اسکی ضروریات زندگی سب سے کم ہوں۔ ہم اپنی فیکٹری میں زیادہ تر ایسے نقلی انسان بناتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ میں نے انسان کو رد کر دیا اور ایک روبو بنا دیا۔ روبو کے ساتھ چونکہ بالکل ایک مشین کا سا تخیل بندھا ہوا ہے اس لئے میں اپنے انسان کو روبو سے ارفع خیال کرتا ہوں۔ بہت سی باتوں میں وہ انسان سے مشابہ ہے۔ اور بہت سی باتوں میں نہیں بھی ہے۔ مگر ہے وہ ایک طرح کا روبو ہی مگر انسان سے زیادہ محنتی۔ زیادہ مضبوط۔ کم ضروریات رکھنے والا۔ میکانکی اعتبار سے اس کا جسم انسان کے جسم سے بہتر ہے۔ اس کا دماغ بھی اور ذہن بھی انسان سے بہتر کام کر سکتا ہے۔ مگر میرے روبو کے اندر کوئی روح نہیں ہے یہ بے روح انسان ہیں۔

سیما بولی۔" یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے بنائے ہوئے روبو کے اندر کوئی روح نہیں ہوتی"۔؟

"کیا آپ نے مس سیما کسی روبو کے اندر جھانک کر دیکھا ہے" ؟

"نہیں"

"میرا بیٹا آپ کو دکھا دے گا۔ اسے الیکٹرانکس میں بہت دلچسپی ہے۔ اور گلینڈ بنانے کا بھی یہ ماہر ہے۔ آج کل یہ پروفیسر جاوید ملک کی نگرانی میں روبو کا پلازما بنانے میں لگا ہوا ہے۔ بادل تم سیما کو ایک روبو اندر سے کاٹ کر دکھا دو گے نا۔؟"

"جی ہاں"۔!

سیما نے ایک جھرجھری سی محسوس کی۔

"ایک انجینیر کی تخلیق ہر صورت میں قدرت کی تخلیق سے بہتر ہوتی ہے"۔

"مگر آدمی کو تو خدا نے بنایا ہے۔"

"یہی تو سب سے برا ہوا"۔ پروفیسر گھوش نے کہا۔" خدا یا بھگوان یا گاڈ جو بھی کہو۔ اسے ماڈرن انجینیرنگ کے اصولوں سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ کیا تمہیں یقین آئے گا۔ کہ میں نے پہلے پہل کیسے نقلی انسان تیار کئے۔

"نہیں۔ سیما بولی۔

"دیوزاد انسان سولہ فٹ اونچے انسان یہ سوچ کر کہ بڑے بڑے انسان فیکٹریوں میں بہتر کام کر سکیں گے۔ ایک آدمی سے چوگنا کام۔ مگر میرا پلان فیل ہو گیا۔ اس دھرتی کے مزاج میں سولہ فٹ کے انسان کو زندہ رکھنے کی قوت نہیں ہے۔ وہ جلدی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ بیحد بڑے تھے وہ انسان۔ ہمارا سیارہ اتنے بڑے انسان کو پناہ

نہیں دے سکتا۔ اس لئے میں نے عام سائز کے نقلی انسان بنانا شروع کئے۔ چھ فٹ کے انسان۔ یا اس سے کم کے۔ جو دیکھنے میں بالکل انسان معلوم ہوں۔ مگر اندر سے نقلی۔ اور اوپر سے ایسے جیسے آپ ہم سب لوگ دکھائی دیتے ہیں۔"

سیما بولی۔ "ہاں۔ میں نے طہران میں چند ایسے روبو دیکھے تھے۔ شہر کی کارپوریشن نے دو سو ایسے روبو خریدے تھے۔ جو مہتروں کا کام کر سکیں۔ میرا مطلب ہے انھیں اس کام پر مامور کیا گیا تھا۔

"مامور نہیں کیا گیا تھا۔ خریدا گیا تھا۔ مس اوڈاما، میرے بنائے ہوئے انسان خریدے اور بیچے جاتے ہیں"۔

"ہاں" سیما بولی۔ "وہ لوگ سڑک پر جھاڑو دے رہے تھے۔ میں نے انھیں دیکھا تھا۔ بڑے عجیب اور خاموش سے نظر آئے"۔

پروفیسر گھوش مسکرا کر بولے۔ "مگر ہماری فیکٹری ایک ہی طرح کے روبو نہیں بناتی ہے۔ کئی قسم کے نقلی انسان بنائے جاتے ہیں۔ جو سب سے عمدہ قسم ہوتی ہے وہ چالیس برس تک چلتی ہے"۔

"پھر وہ مر جاتے ہیں"؟ سیما نے پوچھا۔

"نہیں استعمال سے گھس جاتے ہیں۔ یا ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں"

پروفیسر نے بٹن دبا کر بچن سنگھ کو اندر بلوایا اور اس سے کہا۔

"بچن سنگھ مزدور قسم نمبر سات کے روبو لے کر آؤ فوراً"۔

جونہی بچن سنگھ گیا۔ پروفیسر گھوش سیما کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ نمبر سات سب سے زیادہ تعداد میں مینوفیکچر کیا جاتا ہے"۔

اتنے میں بچن سنگھ دو روبوٹ لے کر آیا۔ ان کی چال میں فوجی انداز تھا۔ جب وہ دونوں جنرل منیجر کے قریب پہنچے تو سیلوٹ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہرے پر کسی قسم کے جذبے کا شائبہ تک نہ تھا۔ چلنے میں ایک میکانکی انداز تھا۔

سیما نے انھیں دیکھا۔ بے حد مضبوط گٹھا ہوا جسم، چہرہ سنجیدہ، ہونٹ بند۔ آنکھوں کی پتلیاں خلا میں گھورتی ہوئی۔ یہ دونوں نقلی انسان کسی چھوٹے ٹریکٹر کی طرح مضبوط، توانا اور آہنی دکھائی دیتے تھے۔

"قسم نمبر سات معمولی سوجھ بوجھ رکھتی ہے۔ ایک عام انسان کی سی۔"

سیما کے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی۔

پروفیسر گھوش نے بچن سنگھ سے کہا۔ "انھیں باہر لیجاؤ۔"

جب بچن سنگھ ان دونوں روبو کو باہر لے کر چلا گیا۔ تو پروفیسر گھوش سے سیما نے کہا۔

"انھیں دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس ہوتا ہے۔"

"بچن سنگھ جو ان روبو کو لے کر آیا تھا۔ خود ایک روبو تھا۔ مگر پانچ نمبر کا۔"

سیما حیرت میں ڈوب گئی۔ اتنے میں پروفیسر گھوش بولے۔

"آپ نے میری نئی ٹائپسٹ دیکھی۔"؟

"وہ خوبصورت لڑکی جسے آپ کوئی خط شارٹ ہینڈ میں لکھوا رہے تھے۔"

اتنے میں شیلا اندر آ گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے دو روبو آ رہے تھے۔ ایک نے چائے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ دوسرے روبو کے ہات میں پنیر کی پھلکیاں تھیں۔ بیسن میں تلی ہوئی۔ اس کے سر پر ایک سفید ٹوپی تھی۔ سفید ٹوپی۔ سفید ٹوپی والے آدمی کی طرف اشارہ کر کے پروفیسر گھوش نے کہا۔

یہ بھی ایک روبوہے لیکن ہم نے اسے ذائقے کی قوت دیدی ہے۔ یہ بہت اچھے کھانے پکاتا ہے۔" کھورووڈر" پروفیسر گھوش نے سفید ٹوپی والے سے پوچھا" پھلکیاں کیسی ہیں؟

"میں نے چکھی ہیں جناب!" روڈر اطمینان سے بولا۔"عمدہ ذائقہ ہے۔"

جب چائے اور پھلکیاں گرم گرم۔ ایک تپائی پر رکھی گئیں تو شیلا پروفیسر گھوش کی اسٹینو۔چائے بنانے لگی۔ چائے اس نے نہایت تمیز داری سے بنائی۔ ہر ایک کی خدمت میں پیش کی۔

سیما نے کہا۔" شیلا تم خود بھی تو لو ایک کپ چائے۔"

شیلا بولی۔" میں چائے نہیں پیتی۔"

" تم جو پیتی ہو وہ منگالو۔"

"میں نہ کچھ پیتی ہوں نہ کھاتی ہوں۔"

چائے کی پیالی سیما کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ حیرت زدہ ہوکر بولی ——

" تو کیا تم بھی۔؟"

پیشتر اس کے کہ شیلا کچھ جواب دیتی۔ پروفیسر گھوش نے کہا۔

"یہ بھی فیکٹری سے آئی ہے۔"

سیما نے شیلا سے پوچھا" شیلا کیا تم فیکٹری میں پیدا ہوئی تھیں۔؟

" نہیں۔" شیلا آہستہ سے بولی۔" میں یہاں بنائی گئی تھی۔"

" کیا کہہ رہی ہو۔"؟

" شیلا ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔" بادل بولا" اس کی جلد میں نے خود تیار کی ہے۔

اس کی ٹھوڑی یا رخسار چھو کر دیکھو سیما۔ شیلا بیحد ذہین بھی ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہم سے کسی طرح مختلف ہے۔ (شیلا کے ہات اپنے ہات میں لے کر) اس کے ہات دیکھو۔ اس کی لانبی مخروطی انگلیاں اس کی زیتونی رنگت، یہ بہترین گریڈ کی روبی ہے۔ شیلا ذرا گھوم تو جاؤ۔"

شیلا اپنا سکرٹ سنبھال کے گھوم گئی۔ گھومنے سے اس کے بال بھی گھوم کر ماتھے پر آپڑے۔ اس نے بڑی ادا سے اپنے بالوں کو ٹھیک کیا۔ اور سیما سے کہنے لگی۔

"آپ راکٹ سے آئی ہیں۔ لیکن جاتے سمے ہماری فیکٹری کے لگژری راکٹ سے جائیے۔ ہمارا راکٹ بہترین راکٹ ہے۔ عمدہ سیٹیں۔ بہترین انتظام سات منٹ میں آپ طہران پہنچ جائیں گی"۔

"یہ جھوٹ ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔" سیما شیلا کے بالوں کو چھو کر بولی۔" اسکے بال تو مجھ سے بھی خوبصورت اور ریشمی ہیں۔ میں مان ہی نہیں سکتی۔ کہ شیلا ایک روبی ہو وہ یقیناً ایک لڑکی ہے۔ میری طرح۔ کیوں شیلا۔؟"

سیما نے شیلا کی طرف دیکھا جیسے وہ اپنے سوال کا جواب " ہاں" میں مانگ رہی ہو۔

شیلا سنجیدہ گی سے بولی "میں ایک روبی ہوں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" بے اختیار سیما کے منھ سے نکلا۔ "یہ جھوٹ مسٹر گھوش اپنی فیکٹری کی اشتہار بازی کے لئے بول رہے ہیں۔"

"کیا ۔۔؟" پروفیسر گھوش کو بھی غصہ آگیا۔ "آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہے۔ تو پھر مجھے آپکو یقین دلانا ہی پڑے گا۔"

اتنا کہہ کر اس نے بٹن دبایا۔ بچن سنگھ حاضر ہوا۔ مسٹر گوش نے بچن سنگھ سے کہا۔
"بچن سنگھ شیلا کو چیر پھاڑ کرنے والے کمرے میں لے جاؤ۔ اور اس کا پیٹ فوراً چاک کر دو۔" پھر سیما سے مخاطب ہو کر بولا۔ "آپ وہاں جا کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی ہیں کہ شیلا کے جسم کے اندر معدہ، جگر، تلی، گردہ ایسے بہت سے اعضا نہیں پائے جاتے نہ ہی اس کی آنتیں ہیں۔"

بچن سنگھ نے شیلا کو اٹھانے کے لئے قدم بڑھایا۔ سیما اپنے صوفے سے اٹھ کر بچن سنگھ اور شیلا کے درمیان آگئی بولی۔

"پروفیسر کیا آپ جان لیں گے؟"

"مس سیما۔ یہ تو ایک مشین ہے۔ مشین کو کون مار سکتا ہے۔"

بچن سنگھ نے شیلا سے کہا۔ "میرے ساتھ چلو۔"

اتنا کہہ کر وہ دروازے کی طرف جانے لگا۔ شیلا نے بھی جانے کے لئے ایک قدم بڑھایا۔ سیما اسے روک کر بولی۔

"ڈرو مت شیلا۔ میں تمہیں جانے نہ دونگی۔ تمہیں قتل نہ ہونے نہ دونگی۔"

اس نے شیلا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔ "مجھے بتاؤ شیلا۔ کیا یہ لوگ تم سے ایسا ہی جابرانہ سلوک کرتے ہیں۔ کیا تم اس ظلم کے خلاف احتجاج نہیں کر سکتی ہو۔"

شیلا نے میکانکی انداز میں کہا۔ "میں ایک روبی ہوں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" سیما بھڑک کر بولی۔ "تم بھی ایسی ہو جیسی کہ میں ہوں۔ کیا تم اپنے جسم کے ٹکڑے کرانے پر تیار ہو۔؟"

"ہاں۔ میں تیار ہوں۔" شیلا نے جواب دیا۔

"کیا مطلب ۔" سیما حیرت سے بولی۔ "تمھیں اپنی موت سے ڈر نہیں لگتا" ؟

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی ۔" شیلا بولی۔

"تمھیں معلوم ہے تمھارے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے گا۔" سیما نے پوچھا۔

"ہاں میں پھر کبھی حرکت نہ کر سکونگی۔"

"بچن سنگھ ۔" پروفیسر گھوش نے اس سے کہا ۔ "تم مس سیما کو بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"میں ایک روبو ہوں مس سیما اوڈاما۔ ایک نقلی انسان ۔ جسے فیکٹری میں بنایا گیا ہے ۔"

"تو کیا تم اس خوبصورت روبی کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکو گے؟"

"ہاں ۔"

"اور تمھیں کوئی دکھ نہ ہو گا۔؟"

"مجھے معلوم نہیں مس سیما اوڈاما ۔" بچن سنگھ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد کیا ہو گا ___ ؟"

بچن سنگھ بولا ۔" اس کے بعد اسے پگھلانے والے شعبے میں بھیج دیا جائے گا۔"

"جہاں اس کا جسم پھر اُسی آٹے میں تبدیل ہو جائے گا جس سے نقلی گوشت بنتا ہے ۔" پروفیسر گھوش ہنس کر بولے ۔" ہماری فیکٹری کے مُردے بھی بیکار نہیں جاتے ۔ ہم انھیں انسانوں کی طرح نہ جلاتے ہیں ۔ نہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں ۔ ہم ان سے دوبارہ نقلی انسان بنا لیتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ہم نے نیچر کو بھی مات دیدی ہے۔"

"کس قدر بھیانک ہے یہ [illegible]" سیما نے کانپ کر کہا۔ مہربانی کر کے ان دونوں کو اس وقت تو اس کمرے سے باہر بھیج د ۔ مگر شیلا کو مارا نہیں جائے گا ۔

"اگر تمھیں یقین آ گیا ہے۔ کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تو مجھے شیلا کے جسم کو پگھلانے کی کیا ضرورت ہے۔ جاؤ۔ شیلا اور نرنجن سنگھ تم دونوں باہر چلے جاؤ۔"

پروفیسر گھوش اپنی سیٹ سے اُٹھ کر ایک بڑی فرنیچر کھڑکی کے پاس گیا۔ اور سیما سے کہنے لگا۔ "ادھر آؤ۔"

سیما اس کے قریب گئی۔ بادل بھی اُٹھ کر سیما کے ساتھ ہو لیا۔ پروفیسر گھوش نے کھڑکی کے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیکھ رہی ہو۔؟"

"ہاں کچھ لوگ دیوار پر اینٹیں چن رہے ہیں۔"

"وہ سب روبو ہیں۔ اور جو افسر اُن کی نگرانی کر رہے ہیں وہ بھی روبو ہیں۔ ادھر نیچے کی بلڈنگ دیکھتی ہو۔؟"

"کوئی بڑا گودام معلوم ہوتا ہے کابچ کا....."

"یہاں پر باہر بھیجنے والے روبولوگوں یعنی نقلی انسانوں کی گنتی کی جاتی ہے۔ ان کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کے لئے جو لوگ مقرر ہیں وہ سب روبو ہیں نقلی انسان۔ ہم اپنی فیکٹری میں ہر طرح کے نقلی انسان بناتے ہیں۔ جن کی عقل عام مردوں سے دگنی ہوتی ہے۔ پھر اس سے بھی کم ذہین۔ پھر اس سے بھی کم ذہین۔ پھر ایسے لوگ جو فیکٹری میں کام کر سکیں۔ اور اوسط درجے کی عقل رکھتے ہیں۔ تمھیں وہ بیحد ذہین انسان بھی دکھائے جائیں گے۔ نریندر فیکٹری میں لے جا کر انھیں سب کچھ دکھا دو۔"

سیما گھبرا کر بولی۔ "کیا ہم لوگ کسی اور مسئلے پر بات نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتے ہیں۔" پروفیسر گھوش نے کہا۔ "یہاں گنتی کے چند ہی آدمی ہیں۔ وہ باقی سب روبو ہیں۔ سب نقلی انسان۔ اور عورت ایک بھی نہیں۔ یہ شیلا ایسی عورت جو

روبیاں ہم اس لئے بناتے ہیں۔ کہ مختلف دفتروں اور فیکٹریوں سے عورت نما اسٹینو ٹائپسٹ رسیپشنسٹ کی مانگ آتی ہے ۔ ورنہ آپ کے سوا اسوقت اس فیکٹری میں کوئی عورت نہیں ہے"۔

اتنے میں دروازے پر زور کا کھٹکا ہوا۔ گھوش نے کہا ۔

"اندر آجاؤ"۔

چار انسان اندر آئے۔ آتے ہی انھوں نے فوجی انداز سے سیلوٹ کیا۔ جس کا سر ہلا کر جنرل مینیجر نے جواب دیا۔

مسٹر گھوش کہنے لگے۔ "مس سیما ان سے ملو۔ یہ ڈاکٹر پارکنز ہیں۔ یہ مس سیما ہیں صدر محترم کی بیٹی"۔

پانچواں باب

"بے حد مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔" ڈاکٹر پارکنز نے سیما سے ہات ملاتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں آپ کی آمد کی خبر سب اخباروں میں بھجوا دی جائے۔"

سیما نے گھبرا کر کہا۔ "نہیں۔ نہیں۔ وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جایئے مس اوڈاما۔ جنرل مینیجر نے سیما سے کہا۔ "اگر آپ کو شہرت ناپسند ہے تو نہ سہی۔ مگر کرسی پر تو بیٹھ جایئے۔"

اس موقعہ پر چاروں آدمی اپنی اپنی کرسی پیش کرنے لگے۔ چند لمحے عجیب افراتفری کا عالم رہا۔ بالآخر سیما نے بادل کی پیش کی گئی کرسی لے لی اور اس پر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر پارکنز بولے۔ "راکٹ کا سفر کیسا رہا۔؟"

دوسرا بولا۔ "فاصلہ اس قدر کم ہو جاتا ہے۔ کہ پتہ ہی نہیں چلتا۔ کہ کب چلے کب پہنچے۔ میں اس لئے راکٹ کے بجائے جیٹ یا ریل گاڑی کو ترجیح دیتا ہوں معلوم تو ہوتا ہے کہ سفر کر رہے ہیں۔"

تیسرا کہنے لگا۔ "ہماری فیکٹری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

یکایک جنرل مینیجر نے تحکمانہ لہجے میں بلند آواز میں کہا۔

"چپ ہو جاؤ۔ مس سیما کو کہنے دو۔"

"میں کیا کہوں ان سے۔" سیما جنرل منیجر کی طرف دیکھنے لگی۔

"جو آپ کے جی میں آئے آپ ان سے کہہ سکتی ہیں۔ انھیں سننا پڑے گا۔

سیما ان چاروں کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا میں ان سے صاف صاف باتیں کر سکتی ہوں۔؟"

"کیوں نہیں۔" جنرل منیجر بولا۔ "اس میں ہرج ہی کیا ہے۔"

سیما ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جس طرح کا سلوک آپ سے کیا جاتا ہے۔ کیا اس سے آپ کو تکلیف نہیں

"کس طرح کا سلوک۔؟" ڈاکٹر پارکنز نے پوچھا۔

"کون ہمیں تکلیف دیتا ہے۔؟" دوسرا کہنے لگا۔

تیسرا بولا۔ "آپ کے دل میں یہ خیال کیسے آیا۔؟"

سیما بولی۔ "کیا آپ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ آپ اس سے بہتر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔"

چوتھا بولا۔ "اس بہتر زندگی سے آپ کا مطلب کیا ہے۔؟"

سیما ایک دم جوش میں آ گئی۔ "یہاں تو شدید بے دردی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اور آپ مجھ سے سلوک کی بابت پوچھ رہے ہیں۔ ساری دنیا میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اسی لئے میں یہاں آئی ہوں۔ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ اور جو میں نے سن رکھا تھا اس سے ایک ہزار گنا زیادہ بے رحمی میں یہاں دیکھتی ہوں۔"

"کس طرح کی بے رحمی۔؟" چوتھے آدمی نے پوچھا۔

"ذرا سوچو" سیما بولی۔ "آپ لوگ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ ہم میں اور آپ میں کیا فرق ہے۔ مگر جس طرح سے آپ یہاں رہتے ہیں وہ بیحد شرمناک ہے۔"

ڈاکٹر پارکنز بولا۔ "ہاں اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ کہ دنیا دی تہذیب کی بہت سی سہولیات سے ہم لوگ اس جزیرے میں بلکہ میں کہوں گا، اس تہ خانے میں رہتے ہوئے محروم رہ جاتے ہیں۔"

سیما بولی۔ "کیا میں آپ کو بھائی کہہ سکتی ہوں"؟

"کیوں نہیں۔" دوسرا بولا۔

سیما اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بولی ۔ "بھائیو! میں یہاں صدر محترم کی بیٹی کی حیثیت سے نہیں آئی ہوں۔ میں انسانیت پرست لیگ کی طرف سے یہاں بھیجی گئی ہوں تاکہ میں آپ لوگوں کو بتا سکوں کہ انسانیت پرست لیگ کے دس لاکھ ممبروں کی ہمدردی آپ کے ساتھ ہے ۔۔۔ اور جو کچھ آپ کے ساتھ یہاں ہوا ہے۔ میں اس کے خلاف پُرزور احتجاج کر سکتی ہوں۔ ہم لوگ آپ کو ہر طرح کی مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔"

"کس طرح کی مدد۔؟"

"ذرا ٹھہریئے۔" پروفیسر گھوش مسکرا کر بولے۔ "میرا خیال ہے مس سیما اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ اس وقت روبو لوگوں کو خطاب کر رہی ہیں۔"

"بلاشبہ یہ لوگ روبو ہی تو ہیں۔" سیما نے کہا۔

"وہ چاروں ہنسنے لگے۔ اور پھر چاروں اکٹھے بول پڑے۔ "ہم لوگ روبو نہیں ہیں۔ مس سیما ہم لوگ تمھاری طرح انسان ہیں"

سیما نے پلٹ کر پروفیسر گھوش کو مخاطب کر کے کہا۔ "مگر آپ ہی نے تو مجھے بتایا تھا۔ کہ اس فیکٹری کے تمام آفیسر روبو ہیں، نقلی انسان ہیں۔"

"ہاں۔ آفیسر لوگ نقلی انسان ہیں۔ مگر ہر شعبے کا منیجر ایک انسان ہے۔ معاف کیجئے گا مس سیما۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔" پروفیسر گھوش ہنس کے بولا۔ "میں اپنے ساتھیوں کا تعارف کرانا بھول گیا۔ یہ ڈاکٹر پارکنز ہیں، جن کا تعارف میں پہلے کرا چکا ہوں۔ یہ ہماری تجرباتی لیبارٹری کے انچارج ہیں۔ یہ ڈاکٹر جاوید ملک ہیں۔ یہ دماغیات کے ماہر ہیں۔ یہ ڈاکٹر پاٹل ہیں۔ جن کے ساتھ مل کر میں نے اس نقلی انسان کی تخلیق کی ہے۔ یہ ڈاکٹر ادین ہاکر ہیں اعصابیات کے ماہر۔"

سیما نے سب سے ہاتھ ملا کر معافی مانگتے ہوئے کہا۔

"میں بیحد شرمندہ ہوں۔ میں نے آپ کو نقلی انسان سمجھا۔ اور نقلی انسانوں کو اصلی انسان سمجھ لیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" بادل بولا۔ "نئے آنے والوں سے ایسی غلطی ممکن ہے۔ ذرا یہ پنیر کی پھلکیاں چکھئے۔"

"اور یہ کھوئے کے لڈو۔" جاوید ملک بولے۔ ان کی چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ جو ان کے ذہین چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر جاوید ملک تیس پینتیس سے کوئی برس کے ہوں گے۔ سیما نے غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں قیاس کیا اور پھر ان کے ہاتھ کا پیش کیا ہوا کھوئے کا لڈو لیکر اس کا آدھا ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال لیا۔ کھاتے کھاتے اس نے دیکھا کہ نریندر گھوش کے چہرے پر ایک سایہ سا آیا اور گزر گیا۔

سیما لجاکر بولی ــ "آپ لوگ اپنے دل میں مجھے کتنا بُرا سمجھتے ہوں گے کہ میں یہاں آپ کی فیکٹری کے روبو لوگوں کو بغاوت پر اکسانے کے لئے آئی ہوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔" پروفیسر گھوش بولے "ہمارے روبو سب کی باتیں سن لیتے ہیں۔ مگر ان پر کوئی ردعمل نہیں ہوتا۔ وہ ہنستے تک نہیں۔ یہاں طرح طرح کے دیوانے آتے رہتے ہیں۔ پگلے۔ صوفی منش۔ اور دنیا کا سدھار کرنیوالے رشی۔ پرچارک۔ لیکھک۔ سیاست دان اور مذہب پرست۔"

"اور آپ انھیں روبو لوگوں کو خطاب کرنے دیتے ہیں"

"بے شک۔ کیوں نہیں۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ میں آپ کو اپنی فیکٹری میں جانے کی اجازت دونگا۔ صرف اتنا ہی نہیں۔ میں آپ کو اس امر کی اجازت بھی دوں گا۔ مس سیما کہ آپ ہمارے بنائے ہوئے روبو سے جو جی چاہے کہہ دیں۔ بغاوت پر اکسائیں۔ یا انجیل قرآن، وید ان کے سامنے پڑھیں۔ یا فرانسیسی انقلاب یا اشتراکی انقلاب کی باتیں کریں یا ان کیلئے انسانی حقوق کا تقاضہ کریں ان پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔" پروفیسر گھوش نے اپنے سگار کی راکھ کو جھاڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بڑی بھیانک بات ہے۔ آپ ان بیچاروں سے ہمدردی اور محبت کا سلوک بھی نہیں کرتے۔"

"کسی روبو سے محبت نہیں کی جاسکتی۔" ڈاکٹر پارکنز بولے۔

"تو پھر آپ ان کی تخلیق کیوں کرتے ہیں۔؟" سیما نے پوچھا۔

"کام کی خاطر۔" پروفیسر گھوش بولے۔ "ایک روبو ایک آدمی سے تگنا یا ڈھائی گُنا زیادہ کام کرسکتا ہے۔ انسانی مشین میں بڑی خامیاں ہیں۔ ایک نہ ایک دن اس

مشین کو کارخانے سے ہٹانا ہی تھا۔

"انسانی مشین کارخانے کے لئے اور کارخانے داروں کے لئے بہت مہنگی بھی پڑتی ہے۔ انھیں تنخواہیں دینا پڑتی ہیں۔ کپڑے۔ کھانا۔ روٹی۔ گھر۔ الم غلم پراویڈنٹ فنڈ۔ پنشن۔ تعلیم۔ چھٹی۔ تفریح..... باپ رے۔ کارخانے کیلئے انسانی مشین اب بالکل بیکار ہے۔"

ڈاکٹر روبن ہائمر بولے۔" اور یہ بھی تو سوچئے کہ انسانی مشین کارخانے میں کام کرنے کے لئے کتنا وقت لیتی ہے۔ پورا بچپن بیکار ہے۔ پیدا ہونے سے اٹھارہ برس کی عمر تک کا عرصہ کارخانوں کے لئے بالکل بیکار ہے۔ وہ وقت ہم نے روبو بنا کر بچا لیا ہے۔"

ڈاکٹر جاوید ملک نے تعریفی نگاہوں سے سیما کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی انسانیت پرست لیگ کا اصلی مقصد کیا ہے؟"

"ہمارا اصلی مقصد روبو یعنی نقلی انسان کو ان کے حقوق دلوانا ہے۔ انکی حفاظت کرنا ہے۔ اور ان کے لئے بہتر سلوک حاصل کرنا ہے۔"

"بہت اچھا مقصد ہے۔" مجھے اپنی لیگ کا ممبر بنا لیجئے۔" ڈاکٹر جاوید ملک بولے۔

ڈاکٹر پارکنسن بولے۔" میں بھی ممبر بن جاؤں گا۔"

"آپ ٹھیک سے نہیں سمجھے۔" سیما بولی۔" ہمارا مقصد روبو لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانا ہے۔"

"کس طرح۔"؟ بادل نے پوچھا۔

"انھیں انسانی حقوق دلوا کر۔"

"یعنی ووٹ"؟ ڈاکٹر ملگھوش نے پوچھا۔ "اور تنخواہ۔ لیکن ووٹ لے کر وہ کیا کریں گے۔ اور تنخواہ ان کے کس کام آئے گی۔ وہ کیا خرید سکیں گے اس سے؟ معدہ انکے پاس نہیں ہے۔ کپڑے کارخانے والے مہیا کرتے تھے۔ جنسی اعتبار سے انکا شمار تیسری جنس میں کیا جائے گا۔ علاوہ روبی عورتوں کے جیسے اسٹینو ٹائیسٹ یا ریپشنسٹ (Receptionist) وغیرہ۔ ہم روبو لوگوں کی عورتیں نہیں بناتے آج تک کسی نے روبو کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

"مگر وہ ذہین تو ہیں"؟ سیما نے پوچھا۔

"بیحد ذہین روبو بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ کیونکہ انکی کوئی روح نہیں ہوتی۔ وہ لوگ انسان نہیں ہیں۔ انسان سے مشابہت ضرور رکھتے ہیں"۔

"اگر آپ ان سے محبّت کا سلوک کریں۔؟" سیما نے پوچھا۔

"وہ محبّت کے جذبے سے آشنا ہی نہیں۔ وہ لوگ اپنے آپ سے بھی محبت نہیں کرتے"۔

"بغاوت بھی نہیں کرتے کبھی"؟

"بغاوت؟ نہیں۔" ڈاکٹر جاوید ملک بولے۔ "ہاں کبھی کبھی ان کا دماغ پھر جاتا ہے۔ وہ اپنی مٹھیاں کسنے لگتے ہیں۔ اور دانت پیسنے لگتے ہیں۔ میں نے اس بیماری کا نام مرد بائٹس رکھا ہے"۔

"آپ ایسے روبوں سے کیا سلوک کرتے ہیں؟"

"اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پگھلا دیا جاتا ہے"۔

"ڈاکٹر روبن ہائمر بولے۔" میں اس بیماری کا علاج ڈھونڈ رہا ہوں"۔

"یہ ایک کمزوری ہے ۔ ہمارے روبو میں۔ جسے ہم جلد دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"یہ کمزوری نہیں ہے۔" سیما نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "یہ اُنکی روح ہے۔"

"کیا روح دانت پیس کر احتجاج کرتی ہے۔؟" پروفیسر گھوش نے طنزاً پوچھا۔

"یہ شاید علامت ہے اس کی بات کی کہ اندر کوئی جدوجہد چل رہی ہے۔ روبو کے دماغ میں بغاوت کی پہلی نشانی۔ ڈاکٹر روبن ہائمر کوشش کر کے ان سے بہتر سلوک کیجئے۔" سیما نے ہمدردی سے کہا۔

ڈاکٹر جاوید ملک بولے۔ "ابھی تو ہم ایک نئی قسم کا روبو بنانے میں مصروف ہیں۔ میں اسے ٹوبو کہوں گا۔"

"ٹوبو۔"

"ہاں۔ ٹوبو۔ روبو سے ذرا مختلف۔ روبو کو درد کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔" پروفیسر جاوید ملک نے کہا۔ "کبھی کبھی مل میں کام کرتے ہوئے وہ غلط طریقے پر کسی مشین میں اپنا ہات دیدیتا ہے۔ تو اس کا ہات کٹ جاتا ہے۔ مگر چونکہ اُسے کسی درد کا احساس نہیں ہوتا اس لئے اُسے اپنا بازو کٹ جانے پر ذرا افسوس بھی نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی اسکا سر کسی مشین سے کٹ جاتا ہے اگر میں اسکے اعصاب میں درد کا ردِ عمل پیدا کر دونگا تو اس سے وہ خود بخود اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریگا۔ اور اسی طرح سے بہتر مزدور بن سکے گا۔ بہت جلد میں ٹوبو بنانے میں کامیابی حاصل کر لوں گا۔"

"آپ ان روبو یا ٹوبو لوگوں میں روح کیوں نہیں پیدا کرتے ہیں" —— ؟ سیما نے پوچھا۔

"یہ ناممکن ہے۔" پروفیسر گھوش نے کہا۔

"یہ ہمارے حق میں بھی نہیں ہے۔" ڈاکٹر پارکنز نے کہا۔

" دیکھیے، مس سیما روبو کی تخلیق کرنے کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ خرچ کم کیا جا سکے تاکہ اشیاء کی گرانی کم ہو جائے۔ کیونکہ کارخانے دار روبو کو کوئی تنخواہ نہیں دیتے اس لئے ان کا خرچ ایک تہائی کم ہو گیا ہے۔ اس حساب سے موجودہ قیمتیں پچھلی قیمتوں کے مقابلے میں ایک تہائی کم ہیں۔ اگلے دس سال میں جب ہم مزید روبو تیار کر سکیں گے اور دنیا کے ہر کارخانے کو روبو دے سکیں گے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ دنیا کا ہر انسان کام کی ذلت سے نجات پا جائے گا۔ اور قیمتیں صفر تک پہنچ جائیں گی۔ روبو ہر چیز فراوانی سے پیدا کر سکیں گے۔ گیہوں۔ چاول۔ ریڈیو۔ ٹیلی وژن۔ فرنیچر۔ کپڑے۔ پردے۔ فیشن۔ کھانا۔ لباس۔ گھر۔ مکان۔ بلڈنگیں۔ وہ سب بنا سکیں گے۔ صحیح معنوں میں اُسی وقت انسان اِس سیارے کا مختارِ کُل ہو گا۔ اپنی روح کا مکمل مالک۔

"جنت کا سا تصور ہے۔" سیما حیرت زدہ ہو کر بولی۔

"تم ایک نوجوان لڑکی ہو۔ میرے بیٹے بادل کی طرح۔" پروفیسر گھوش بولے "ممکن ہے ہم لوگ وہ دن نہ دیکھ سکیں۔ مگر آپ لوگ وہ دن ضرور دیکھیں گے۔"

سیما بولی۔ "میں کچھ گڑبڑا سی گئی ہوں۔ آئی تھی کسی اور کام کے لئے۔ یہاں آپکا مقصد کچھ اور نظر آتا ہے۔"

بادل نے اپنی کرسی سے اُٹھ کر کہا۔ "بہت بحث ہو چکی۔ میرے خیال میں مس سیما میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوں تو میں آپ کو فیکٹری دکھا دوں گا۔"

سیما اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بولی۔ "چلیے۔"۔۔۔۔

چھٹا باب

بادل نے سیما کو پہلے وہ شعبہ دکھایا جہاں بڑے بڑے آہنی کڑھاؤں میں روبو بنانے کا خام مادّہ گوندھا جاتا تھا۔ گوندھنے کا عمل بجلی کے ذریعہ ہوتا تھا۔ بڑی حیرت سے سیما نے اس مادے کو دیکھا۔ جو دیکھنے میں گلابی رنگ کا تھا۔ مگر بٹن دباتے ہی یہ خام مادّہ بڑے بڑے کڑھاؤں میں اس طرح ابلنے لگتا تھا جس طرح اس نے صابن بنانے والے کارخانوں میں دیکھا تھا۔

بادل نے کہا۔ "بنیادی طور پر صابن بنانے اور روبو بنانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ترکیب وہی ہے۔ صرف اجزا مختلف ہیں۔ اور عمل صابن بنانے سے بہت زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔"

پھر سیما نے وہ شعبہ دیکھا۔ جہاں گوشت بنتا تھا۔ اور اس مادہ سے رگ و ریشے تیار ہوتے تھے۔

ایک شعبہ میں صرف نقلی اعصاب بنانے کے تار میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔

تیسرے شعبہ میں روبو کے لئے صرف دماغ تیار کیا جاتا تھا۔

چوتھے شعبہ میں روبو کے لئے جلد تیار کی جاتی تھی۔ بادل اس شعبہ کا انچارج

تھا۔ وہ بڑے فخر سے سیما کو اپنے ڈپارٹمنٹ میں لے گیا۔

"یہاں جلد بنائی جاتی ہے۔" بادل نے سیما کو بتایا۔

اس ڈپارٹمنٹ میں چاروں طرف لوم اور سپنڈل چل رہے تھے اور کتائی ہو رہی تھی مشینوں پر۔

"قدرت نے ہماری جلد کی تین تہیں رکھی ہیں۔" بادل سیما سے کہنے لگا۔ "لیکن روبوٹ لوگوں کے لئے صرف ایک مضبوط تہ کافی ہے۔ البتہ عورتوں یعنی روبی بنانے میں دو تہیں استعمال ہوتی ہیں۔ پھر بھی وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو عورت کی جلد میں ہے۔"

سیما نے بات کا رُخ پلٹ کر کہا۔ "تو یہاں جلد الگ سے بنتی ہے۔؟"

"یہ تم جو مشین دیکھ رہی ہو کہیں پر مہین تار بُنے جا رہے ہیں۔ کہیں پر اُن سے ذرا موٹے۔ لیکن میرے لیے سب سے مشکل کام وہ تھا جب میں نے سائی لن ایجاد کیا۔"

"سائی لن کیا۔؟" سیما نے پوچھا۔

"سائی لن نائی لون ہی کی ایک قسم ہے ایک طرح کا کیمیکل دھاگا جس سے روبو کی جلد بنی جاتی ہے۔ میری کوشش یہ رہی کہ میں ایک ایسا تاگا تیار کر لوں جو پائداری میں نائی لون سے دیرپا ہو اور ملائمیت میں ریشم کو مات کرتا ہو کئی سال کے تجربوں کے بعد میں سائی لن بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس وقت تم اپنے آگے پیچھے۔ دائیں بائیں۔ چاروں طرف جن مشینوں کا شور سنتی ہو اور جن باریک تاگوں کے جال کو مشینوں سے نکلتے ہوئے دیکھتی ہو یہ سب سائی لن کے تاگے ہیں۔ یا ان تاگوں سے بنی ہوئی کتائی ہے۔ جو سب سے آخر میں روبو کے جسم پر چڑھائی جاتی ہے۔"

سیما نے حیرت زدہ ہو کے اپنے چاروں طرف دیکھا۔

چاروں طرف مشینوں کی دبی دبی گونج کے درمیان ہزاروں گز لمبے تاگے نکل رہے تھے۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے مختلف سائز کی بناوٹ میں ان کی کٹائی ہو رہی تھی۔ انواع و اقسام کی جلدیں اس کی آنکھوں کے سامنے تیار ہو رہی تھیں۔

"عورتوں کی جلد کے لئے بہت ہی سپر فائن قسم کا سائیلن استعمال ہوتا ہے۔"

"یعنی ـــ؟" سیما کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔

"یعنی جس قسم کی جلد تم نے شیلا کے چہرے پر دیکھی۔" بادل بولا۔ "آؤ تمھیں وہ سیکشن بھی دکھا دوں۔"

سیما کا ہات پکڑ کر مشینوں کے گھیرے سے گزرتے ہوئے وہ اس کمرے میں پہنچ گیا۔ جہاں بیحد مہین، اور ریشم سے بھی نازک تاگوں کا جال بنا جا رہا تھا۔ چاروں طرف خودکار مشینوں کی "غوں۔ غوں" خوابناک گونج تھی۔ اور فضا میں ایک دھند سی چھائی ہوئی تھی۔

سیما نے ذرا آگے جھک کر ان ریشم سے باریک تاگوں کو چھونا چاہا۔ جو ایک مشین سے نکل رہے تھے کہ ایکدم زور کا جھٹکا سیما نے محسوس کیا۔ دوسرے لمحے میں اس نے دیکھا کہ بجلی کی تیزی سے بادل نے اس کا ہات ہٹا لیا۔ مگر اتنے میں سیما بادل کی باہوں میں بیہوش ہو چکی تھی۔

جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے کمرے میں پایا جس کا بستر بیحد آرام دہ تھا۔ اور جس کی کھڑکیوں سے بجلی کی روشنی ہلکے ہرے پردوں سے چھن کر آ رہی تھی۔ اس کے سامنے کرسی پر قریب ہی بادل بیٹھا تھا۔ مگر اس کی ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر بادل نے کہا۔ "شکر ہے تم بالکل بچ گئیں۔"

"مگر مجھے بجلی کا سا جھٹکا محسوس ہوا تھا۔"

"غلطی میری تھی۔ میں تم سے کہنا بھول گیا۔ کہ کسی مشین یا تاگے کو ہات نہ لگانا۔ ان سب میں بجلی کی رو دوڑ رہی ہے۔ شکر ہے تمھیں ذرا ہی سا جھٹکا لگا۔ اور میں اپنے ہات سے تمھارے ہات کو پرے لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس جھٹکے نے تمھیں آدھے گھنٹے کے لئے بیہوش کر دیا۔"

"اور تمھارے ہات پر یہ پٹی کیسی بندھی ہوئے ہے۔ انگلیوں پر۔؟" سیما نے پوچھا۔

"یہ میری غلطی کی سزا ہے۔"

"زخم آیا ہے۔؟"

"نہیں۔ میرے بائیں بازو کی دو انگلیاں تاگے سے کٹ گئیں ہیں۔"

"تاگے کی دھار اس قدر تیز ہوتی ہے۔؟"

"جب مشین سے نکلتا ہے۔ تو اس کے اندر بلیڈ کی سی تیز دھار ہوتی ہے۔ تمھارے ہات نے ابھی اُسے چھوا بھی نہ تھا کہ میرے ہات نے تمھارے ہات کو پکڑ لیا۔ مگر اسکے جھٹکے میں میرا ہات تاگے سے لگ گیا اور دو انگلیاں کٹ گئیں۔

"میری خاطر۔؟" سیما آہستہ سے بولی۔

"تمھاری خاطر جان بھی چلی جاتی تو کیا تھا۔" بادل نے اُڑتے ہوئے بادلوں سے بھی دور لہجہ میں کہا۔ جیسے وہ کسی اور سے مخاطب ہو۔

سیما بستر پر اُٹھ بیٹھی۔ اپنے بال ٹھیک کئے۔ بادل نے اس سے کہا۔

"لیٹی رہو۔"

"نہیں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سیما نے بستر سے اُٹھ کر کہا۔

وہ بادل کے قریب آئی۔ اور اس نے بڑی ملائمیت اور نرمی سے بادل کے زخمی کو چھوا پھر حیرت سے بولی۔ "میری خاطر۔"؟

بادل چُپ رہا۔

سیما نے حیرت سے کہا۔ "حیرت تو اس بات کی ہے کہ جس فیکٹری میں مرد۔ عورت سے اس قدر دور رہتے ہوں۔ وہاں اس قسم کی حرکت ہو جائے۔"

بادل مسحور نگاہوں سے سیما کو دیکھ رہا تھا۔

سیما نے پوچھا۔ "کیا سب ڈپارٹمنٹ تم نے مجھے دکھائے ہیں؟"

"تقریباً سب۔"

"لیکن میں نے تمہارے شعبہ میں کسی روبو کو کام کرتے نہیں دیکھا۔"

"چند شعبے خود کار ہیں۔ ان میں روبو لوگوں کو بھی جانے نہیں دیا جاتا"۔

"کیوں۔؟"

"تاکہ وہ اپنی تخلیق کے راز سے واقف نہ ہو سکیں۔ روبو بہت ذہین ہوتے ہیں"۔

"اور" سیما جھجک کر بولی۔ "تقریباً سب کا کیا مطلب تھا؟"

"بس دو شعبے تمھیں نہیں دکھائے" بادل بولا۔ "ایک تو وہ شعبہ جہاں روبو کی ہڈیوں کا پنجر تیار کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ شعبہ جسے ہم اسمبلی پلانٹ کہتے ہیں۔ جہاں روبو کو آخری شکل دی جاتی ہے۔ وہ بھی ایک خود کار شعبہ ہے۔ اور اس کی نگرانی پروفیسر پاٹل اور میرے پتا جی کرتے ہیں۔ لیکن پروفیسر پاٹل سے بھی زیادہ میرے پتا جی روبو کی ساخت کو بہتر جانتے ہیں۔ اسمبلی پلانٹ میں ان کی رائے آخری اور قطعی مانی جاتی ہے۔ اور یہ اسمبلی پلانٹ کسی سیاح کو دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اور اگر میں کہوں تو؟" سیما نے پوچھا۔

بادل نے اُسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا۔ "اگر تم کہو گی تو ضرور دکھا دوں گا لیکن اس کے بعد مجھے گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔"

سیما کانپ کر بولی: "تو مجھے منظور نہیں ہے۔"

بادل چُپ رہا۔

"اب اس کمرے سے چلیں۔؟"

"تم بالکل ٹھیک محسوس کرتی ہو۔؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"یہی ڈاکٹر نے بھی کہا تھا۔ جو تمہیں ابھی دوا دے کر گیا ہے اس نے کہا تھا جب تم اُٹھو گی تو بالکل ٹھیک محسوس کرو گی۔"

"ہاں میں بالکل تازہ دم محسوس کرتی ہوں۔"

"ہاں تو اب تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں خاص طور پر اس فیکٹری کا ایک حصّہ دکھانا چاہتا ہوں۔"

پہلے تو وہ لفٹ میں اُوپر گئے۔ بہت اُوپر گئے۔ پھر لفٹ ختم ہو گئی۔ اور اب ان کے سامنے سیڑھیاں تھیں۔ پیچیدہ نیم دائرے کی شکل میں یہ سیڑھیاں اُوپر دور اُوپر کہیں جا رہی تھیں۔

بادل سیما کو ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ شروع شروع بہت چوڑی تھیں۔ اور تعداد میں زیادہ تھیں۔ جوں جوں وہ اوپر چڑھتے گئے۔ اور ان کی سانس پھولتی گئی۔ تو سیڑھیاں بھی کم ہوتی گئیں۔ اور ان کی چوڑائی بھی۔ آخر ایک سیڑھی پر سے سیما کا پاؤں

پھسل گیا۔ مگر پیشتر اُس کے کہ وہ گر جاتی بادل کی مضبوط باہنوں نے اُسے تھام لیا۔

سیما نے اُوپر دیکھ کر کہا۔" اب میں تھک گئی ہوں۔ اب میں اور اُوپر نہیں جا سکتی"۔

بادل نے سیما کو اپنی باہنوں میں اُٹھا لیا۔ آخری بیس سیڑھیاں وہ اُسے اٹھائے ہوئے اوپر آیا۔ اور ایک ٹاور میں داخل ہوا۔

ٹاور میں پہنچکر بادل نے سیما کو اپنی باہنوں سے آزاد کر دیا سیما گھوم کر اس ٹاور کو دیکھنے لگی۔

اس ٹاور کی چھت کانچ کی تھی۔ اور یہاں آکر معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ تہ خانے سے باہر نکل آئے ہیں۔ اس ٹاور کی دیواروں میں اینٹیں چُنی ہوئی تھی۔ مگر چھت کانچ کی تھی۔ اور ٹاور کے اندر اور چاروں طرف بہت سی بڑی بڑی کانچ کی کھڑکیاں ایستادہ تھیں۔ جن سے سورج کی روشنی چھن کر آتی تھی۔

یہاں سے سیما بحر ہند کی لہروں کو اُچھلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اور آسمان کو۔ اور آسمان پر اُڑتے بادل کو۔۔۔

بادل نے کہا" تم نے کہا تھا نا کہ تم نے آج تک آسمان نہیں دیکھا آسمان پر اُڑتے بادلوں کو نہیں دیکھا۔ سر شام پھولتی ہوئی شفق کو نہیں دیکھا۔ اب دیکھ لو یہاں سے سب نظر آرہا ہے"۔

"اس کانچ کی چھت پر وہ کیا ہے"؟

"ہیلی کاپٹر ہے"۔

"کاہے کے لئے"؟

"کسی خاص خطرے کے وقت استعمال کرنے کے لئے۔ ایمرجنسی کے لئے"!

سیما نے اِدھر دیکھنے کے بعد کہا۔ "اس ٹاور کی ہوا نیچے کے تہ خانوں سے گرم معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ ٹاور ایمرجنسی کے لئے ہے۔ اور ایک طرح سے یہ ٹاور ٹیرس گارڈن۔ یا کانچ کے باغیچے کا کام بھی دیتا ہے۔"

بادل ایک گملے کے قریب گیا۔ اور ایک بہت بڑا پیلا گلاب اُس نے توڑکر سیما کے بالوں میں اٹکا دیا۔

سیما نے ایک پن سے اس گلاب کو ٹھیک طرح سے اپنے بالوں میں سجا لیا۔

"میں کبھی کبھی اکیلا اس ٹاور میں آجاتا ہوں۔" بادل بولا۔ اور سمندر کا مدوجزر دیکھتا ہوں۔ سمندر کی طرح ہی میرے دل میں عجیب سی ترنگیں اٹھنے لگتی ہیں۔ جن کا سائنسداں ہوکے بھی ٹھیک طرح سے تجزیہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر تمہیں دیکھ کر۔۔۔۔"

وہ چپ ہو گیا۔

"ہاں مجھے دیکھ کر!" سیما شوخی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ہمیں شروع ہی سے اکیلے رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ روبو بنانے والی کمپنی کے جنرل منیجر کا میں بیٹا ہوں۔ اس لئے مجھے بھی خاص طور پر باہر کی کھلی فضا سے محروم کر دیا گیا ہے۔ دوسرے انجینیر اور سائنسداں عمر میں مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ سوائے پروفیسر جاوید ملک جو ان لوگوں کے بہت بعد میں آئے۔ وہ بھی پینتیس سے کم کے نہ ہوں گے۔ ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے باہر کی دنیا کو چھوڑ دینا۔ مگر میرے لئے۔۔۔۔"

وہ پھر چپ ہو گیا۔

سیما بولی۔ "ہاں تمہارے لئے۔؟"

"میرے لئے بھی آسان ہو گیا تھا۔ جب تک تمھیں دیکھا نہ تھا۔ ہر چیز آسان تھی۔ کوئی فیصلہ مشکل نہ تھا۔ کوئی کام دشوار نہ تھا۔ میں سائنس میں مگن تھا۔"

سیما نے دھیرے سے کہا۔ "سائنس بہت اچھی چیز ہے۔"

بہت اچھی ہے۔ مگر تمھیں دیکھ کر معلوم ہوا کہ وہ سب کچھ نہیں ہے۔ اس دنیا میں سائنس سے بھی قیمتی چیزیں موجود ہیں۔"

"مثال کے طور پر۔" ؟

"انسان۔ عورت۔ پھول۔ سمندر کا مد و جزر۔۔۔۔ دلمیں اٹھتی ہوئی ترنگیں۔۔۔ تم۔۔"

بادل نے سیما کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔

سیما نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سیپی جیسے پپوٹوں کے اندر اسکی آنکھوں کی بڑی بڑی پتلیاں جانے کیسے کیسے خواب دیکھنے لگیں۔ اس کے سمندر کا سا مد و جزر ڈولنے لگا۔ آہستہ سے اس کا سر بادل کے سینے سے لگ گیا۔ جھک گیا۔ اسکے سسکتے بند ہونٹوں سے ایک آہ سی نکلی۔۔۔۔۔ جیسے وہ انتہائی خوشی کے درد کو محسوس کر رہی ہو۔

بادل نے اپنے خشک انگاروں کی طرح جلتے ہوئے ہونٹ سیما کے رسیلے ہونٹوں پر رکھ دیئے اور ہولے ہولے سمندر شانت ہو گیا۔

ساتواں باب

جاوید ملک نریندر گھوش کے ڈرائینگ روم میں گلاب کے پھولوں کا ایک گملا لئے اندر آیا اس نے بادل سے پوچھا ــــ "کیا سیما ابھی تک سو رہی ہے؟"

"ہاں سو رہی ہے"

"اور اسے کچھ معلوم نہیں ہے"

"نہیں" ــــ بادل نے آہستہ سے کہا۔ "اسے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اور میں دعا مانگتا ہوں کہ آج ــــ کم سے کم آج کچھ نہ ہو۔ یہ کیا لائے ہو ــــ؟"

"میں نے یہ ایک نئے قسم کا گلاب تخلیق کیا ہے۔ اس کا میں نے نام رکھا ہے "شفق"۔"

"اسے دیکھ کر مجھے آج سے پندرہ برس پہلے کی سیما یاد آتی ہے۔ اس کے رخساروں کا رنگ ایسا ہی تھا"

"اب بھی ایسا ہی ہے" جاوید ملک نے آہستہ سے کہا۔ سیما کو ہمارے ہاں آئے ہوئے پندرہ برس ہو گئے۔ آج پندرہ برس پورے ہو گئے۔ بادل یاد ہے۔"

بادل نے رک کر کچھ سوچا۔ پھر آہستہ سے مسکرا اٹھا۔ "تم نے ٹھیک یاد دلایا۔ جاوید۔ ٹھیک پندرہ برس پہلے آج کے دن وہ یہاں آئی تھی۔ میں بھول گیا۔ مگر تمھیں کیسے یاد رہا —؟"

"جو چیز جس کے پاس ہوتی ہے وہ اُسے بھول جاتا ہے۔" پروفیسر جاوید ملک نے آہستہ سے کہا۔ "دوسروں کو یاد رہتی ہے —"

اس کی آواز عجیب سوگوار سی تھی۔ مگر بادل کو کچھ اندازہ نہ ہوا۔ وہ کسی اور ہی خیال میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا۔ اس نے ایک تپائی پر سے دوربین اٹھائی اور سمندر کی طرف اس کا رخ کر کے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "انتم ہمارا ابھی تک نہیں پہنچا۔ مجھے ڈر ہے۔"

"چپ رہو۔" جاوید ملک بولا۔ "کہیں وہ سن نہ لے۔"

بادل نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ڈرائنگ روم سے ملحق ایک چھوٹا سا چیمبر تھا۔ جس سے لگا ہوا سیما کا بیڈ روم تھا۔ چیمبر کے دروازے پر سیما کی خاص نوکرانی چنچل کھڑی تھی۔

"کیا ہے چنچل —؟" بادل نے پوچھا۔

"سیما میم صاحب جاگ گئی ہیں اور اب غسل کر رہی ہیں۔"

"اچھا۔"

جب چنچل واپس چلی گئی۔ تو جاوید ملک نے کہا۔ "اگلے سال میں اس سے بھی بہتر گلاب سیما کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"کونسا اگلا سال —؟"

"جانے اس وقت طہران میں کیا ہو رہا ہوگا۔؟"

"طہران میں اور پیرس میں۔ اور نیویارک میں۔ بیکنگ میں۔ اور ٹوکیو میں۔...

"چنچل"۔ سیما کی آواز ڈرائینگ روم تک پہنچی۔ بادل اور جاوید ملک دونوں چونک سے گئے۔

بادل اپنی جگہ سے اُٹھ کر اندر گیا۔

سیما تیار ہو کر غسل خانے کے دروازے پر ایک بڑا سا تولیہ لپیٹے کھڑی تھی۔ بادل نے ایک نظر بھر کر اسے دیکھا۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ اور یہ صرف اس لیے کہ اس کے کوئی بچہ نہ ہوا تھا۔ بچے عورت کے حسن کو تباہ کر دیتے ہیں۔ سیما بچہ چاہتی تھی۔ ایک نہیں ایک درجن۔ مگر بادل بچوں کے خلاف تھا۔ نہ صرف بادل بلکہ اس کا باپ پروفیسر اجے گھوش بھی جب تک زندہ رہا بچوں کے خلاف رہا۔ اجے گھوش کو مرے ہوئے بھی لگ بھگ چار برس ہو گئے تھے۔ مگر بادل ابھی تک اپنے باپ کے بنائے ہوئے اصولوں پر چل رہا تھا۔ کبھی کبھی سیما سے اس کے بچوں کے معاملے میں لڑائی جھگڑے بھی ہو جاتے مگر جلد ہی دونوں روٹھے ہوئے عاشق مان جاتے۔ کیونکہ پندرہ برس گزر جانے پر وہ آج بھی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

"چنچل کہاں ہے؟" سیما نے دروازے پر کھڑے کھڑے اپنے بڑے تولیہ سے ستر پوشی کی ناکام کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ایک تصویر کی طرح خوبصورت ہو۔" بادل بولا۔

اتنے میں چنچل اپنے دونوں بازوؤں میں سیما کا نیا ڈریس اٹھائے ہوئے آگئی اور غسل خانے کا دروازہ چنچل نے اندر سے بند کرتے ہوئے بادل کی طرف زبان

نکال کر اس کا منہ چڑا دیا۔

"وہ سب جاہل ہیں کمبخت ماٹی ملے۔" چنچل دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔

"وہ کون؟"

"وہ ملیچھ۔"

"کیا روبولوگ؟"

"میں تو ان کو اس نام سے کبھی نہ پکاروں۔" چنچل سر ہلا کر بولی۔

"ہوا کیا ہے؟" سیما نے پوچھا۔ اور تولیہ اتار دیا۔

چند لمحوں کے لئے تو چنچل سیما کا بے داغ حسن دیکھتی رہی جیسے وینس سمندر کی سیپی سے نکل آئی ہو۔ پھر اُسے اپنی بات یاد آ گئی۔ بولی۔

"اس موئے کو بھی وہ بیماری ہو گئی ہے۔ آج صبح صبح جب میں ڈرائینگ روم صاف کرنے گئی تو وہ ساتھ کی لائبریری کے کمرے میں سے مجھے کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ میں بھاگی بھاگی اندر گئی۔ تو دیکھا کہ وہ موا اپنے دانت پیس رہا ہے اور مٹھیاں کس رہا ہے۔ اور لائبریری میں رکھے ہوئے کا ایمڈا اس کے بت پھینک پھینک کر توڑ رہا ہے۔"

"کون سری دھر۔؟" سیما نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں وہی موا کمبخت سری دھر۔ جانے تم نے اس کو یہ نام کیوں دیدیا اُسے تو کسی دھرم مذہب میں وشواس ہی نہیں ہے۔ رام اور کرشن کی تصویریں جو لائبریری میں ٹنگی تھیں۔ انھیں اتار اتار کر پھاڑ رہا تھا۔ میں تو ڈر کے بھاگی۔ یہ کیسی منحوس جگہ ہے مالکن تم نے مجھے طہران سے یہاں کیوں بلوا بھیجا ــــــ؟"

"اتنی تو منت سماجت کی میں نے تجھے بلوانے کی خاطر"۔ سیما بولی۔ بادل سے کہا۔ ایک نوکرانی کے بغیر میرا کام نہیں چلے گا۔ وہ کہنے لگا ایک عورت کے بدلے ایک درجن روبی عورتیں رکھ لو۔ مگر مجھے تو چینچل چاہیئے تھی"۔۔۔

"کتنے بُرے ہیں یہ روبو۔ میں تو سچ مچ اُن سے بہت ڈرتی ہوں۔ میری دھڑ کے نزدیک تو تمہارا کتا بھی نہیں جاتا۔ تمہارا طوطا بھی اس سے ہری مرچ نہیں کھاتا"۔

"طوطے کو کیا سمجھ ہے۔۔۔ میری چولی ٹھیک سے کس دو"۔

چینچل بڑبڑاتی ہوئی سیما کی چولی اور ساڑھی ٹھیک کرنے لگی۔

دوبار سیما نے آئینے کے سامنے گھوم کر اپنی خوبصورتی کا جائزہ لیا۔ حیرت ہے وقت کا میری خوبصورتی پر کوئی اثر نہیں ہوا سوائے اس کے کہ جسم ذرا گدرا گیا ہے۔ اس سے وہ اور بھی سُندر ہو گیا ہے۔ سیما نے تنقیدی نگاہوں سے اپنے جسم کا جائزہ لیتے ہوئے آئینے میں کئی بار دیکھ کے سوچا۔ پھر بولی۔ "یہ ایسی اچھی خوشبو کہاں سے آرہی ہے۔۔۔؟"

"ڈرائینگ روم سے۔۔۔۔ پروفیسر جاوید ملک تمہارے لئے ایک نیا گلاب لائے ہیں"۔

سیما جلدی جلدی ڈرائینگ روم میں چلی گئی۔ گملے میں گلاب کا ایک شفق زار پھول دمک رہا تھا۔

سیما نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔

"اوہ بادل۔۔۔۔ یہ پھول کس لئے؟"

"سوچو"۔ بادل نے پوچھا۔ "تم بتاؤ"۔

"کیا بتاؤں۔ آج میری سالگرہ تو ہے نہیں۔"
"آج میری خوشیوں کی سالگرہ ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"آج سے پندرہ برس پہلے تم میرے پاس آئی تھیں۔"
"آج ہی ۔۔۔ کیا سچ مچ۔؟" "تمہیں یاد رہا ۔۔۔؟"
سیما باہیں پھیلائے ہوئے بادل کی جانب بڑھی۔ چنچل ناک سکوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

بادل نے سیما کو پیار کر لیا ۔۔۔ دیر تک اُسے اپنی باہوں میں سمیٹے رہا ۔۔۔ پھر اُسے آزاد کرتے ہوئے بولا ۔۔۔۔ "سچ پوچھو تو مجھے یاد نہ رہا تھا۔ مگر ان سب کو یاد تھا۔"

"کن سب کو؟"

"[illegible] کو اور ڈاکٹر پارکنز کو اور بڈھے پروفیسر پاٹل کو۔ ذرا میری جیب میں ہات ڈالو تو۔"

سیما نے بادل کی دائیں جیب میں ہات ڈالا۔ موتیوں کی ایک لمبی مالا نکلی۔ جسے دُہرا کر کے سیما نے اپنے گلے کے گرد پہن لیا۔

"اس نے ابنِ آدم کا تحفہ ہے" ۔۔۔ بادل بولا ۔۔۔ "اب دوسری پاکٹ میں ہاتھ ڈالو۔"
سیما نے دوسری پاکٹ میں ہات ڈالا ۔۔۔ تو اس کے ہات میں ایک ریوالور آ گیا۔
سیما نے گھبرا کر اُسے اپنے ہات سے چھوڑ دیا۔ ریوالور آواز پیدا کرتا ہوا سنگِ مرمر کے فرش پر گر گیا۔

"یہ کیا۔؟"

بادل نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے کہا۔" یہ غلطی سے نکل آیا۔ ایک بار پھر اسی پاکٹ میں ہات ڈالو"۔

"مگر تم تو کبھی جیب میں ریوالور نہیں رکھتے تھے؟" سیما نے سہم کر پوچھا۔

"غلطی ہو گئی"۔ بادل نادم ہو کر بولا۔" اب ڈالو اسی پاکٹ میں ہات"۔

سیما نے پھر اسی پاکٹ میں ڈرتے ڈرتے ہات ڈالا۔ آقات جیڈ کی بنی ہوئی نٹ راج کی مورتی اس کے ہات میں آ گئی۔

"یہ بڈھے پاٹل کا تحفہ ہے"۔

سیما ہنس کر بولی:" یہاں تمہارے میرے اور چنچل کے سوا اور کون بڈھا نہیں ہو۔ اور ہم بھی کون سے جوان رہے ہیں"۔

"وہ چاکلیٹ کا ڈبہ دیکھ رہی ہو۔ ولیم جیگر نے بھیجا ہے۔ اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ سے۔ اور وہ ہاتھی دانت کا تاج محل شیخ مقصود کا تحفہ ہے۔ اور وہ تپائی پر رکھا ہوا چینی پنکھا ڈاکٹر پارکنز کا تحفہ ہے"۔

"ان سب لوگوں کو آج کا دن یاد رہا۔؟"

"اب میری جگہ سے باہر سمندر کی طرف دیکھو"۔

"کہاں۔؟"

"ادھر کھڑکی میں آؤ"۔

سیما کی کمر میں ہات ڈال کر بادل اسے ایک فرینچ کھڑکی کے قریب لے گیا۔

سیما بولی۔" جب تم میری کمر میں ہات ڈالتے ہو۔ مجھے ہمیشہ ان انگلیوں کا لمس

محسوس ہوتا ہے جو اب نہیں رہیں۔

"وہ دیکھو"۔ بادل نے کہا۔

"کہاں دیکھوں۔؟"

"بندرگاہ کی طرف۔"

"کوئی نیا جہاز ہے۔

"تمہارا بحری جہاز ہے..... میرا تحفہ..... تمہارے لئے۔"

"میرے لئے..... کا کیا مطلب"؟

"اب فیکٹری کے قانون تمہارے لئے بدل دئے گئے ہیں۔ آج سے تم اس بحری جہاز پر دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتی ہو"۔

"اوہ.....!" سیما بادل کے سینے سے چمٹ گئی پھر کچھ دیکھ کر ٹھٹھکی۔ آہستہ سے سہمتے ہوئے ڈرتے ہوئے کہنے لگی۔ "بادل۔ مگر اس جہاز پر تو توپیں ہیں۔ یہ تو گن بوٹ ہے"۔

"گن بوٹ نہیں ہے۔ ایک بڑا اور مضبوط بحری جہاز ہے جس پر تم ایک ملکہ کی طرح سفر کر سکو گی"۔

"مگر توپوں کے ساتھ۔؟ اس کا مطلب کیا ہے بادل۔؟ کیا کوئی بری بات ہو چکی ہے۔ یا ہونے والی ہے۔؟"

"یہ موتیوں کی مالا تم پر کیسی سجی ہے؟"

"میرے سوال کا جواب دو۔" سیما نے بادل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کیا جواب دوں۔؟" بادل بولا۔ "ایک ہفتے سے کہیں سے کوئی خط ہی نہیں آیا۔"

"کوئی تار — ہ" سیما نے پوچھا۔

"تار بھی نہیں"۔

"اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے"۔

"چھٹی"۔ بادل نے کندھے اُچکا کر کہا۔ "ہات پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں ہم سب"۔

"تو آج تم سارا دن میرے پاس رہ سکتے ہو"۔

سیما نے بادل کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

بادل نے اُسے چوم کر کہا۔ "کیوں نہیں — یعنی — کہ — دیکھیں گے"۔

سیما کچھ سوچتے ہوئے بولی — "آج سے پندرہ برس پہلے جب میں یہاں آئی تھی۔ تو سولہ برس کی لڑکی تھی۔ اور دل میں ایک مقصد لے کر آئی تھی۔ اور وہ مقصد تھا روبو لوگوں کو تمہارے خلاف انسانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا"۔

بادل بولا — "یہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کوئی ٹرک — بولٹ، اسکریو، تھنبھ یا کیل کو بغاوت پر آمادہ کرے ...

مگر سیما نے اپنا بیان جاری رکھا — "اسی سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں بولی۔" جب میں آئی تو مجھے ایسا لگا۔ جیسے میں ایک چھوٹی سی لڑکی جنگل کے بڑے بڑے درختوں میں گھری کھڑی ہوں۔ میری خود اعتمادی کو ٹھیس سی لگی — مگر میں کہہ سکتی ہوں کہ ان پندرہ برسوں میں تمہارے اعتماد نے کبھی شکست نہیں کھائی — اس وقت بھی جب حالات تمہارے خلاف جانے لگے"

"تمہارا اشارہ کن حالات کی طرف ہے"۔

"یاد کرو۔ جب امریکہ میں مزدوروں نے روبو لوگوں کے خلاف بغاوت کی۔ اور

جب باغیوں نے روبوٹوں کو ہتھیار دئے۔ اور وہ اتنے اچھے سپاہی ثابت ہوئے۔ کہ مختلف حکومتیں انھیں سپاہی کے طور پر اپنی فوجوں میں ملازم رکھنے لگیں"۔

"یہ بات بھی میرے ذہن میں تھی —— لیکن یہ مشکلیں بھی دور ہو جائیں گی۔ دنیا میں کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے —— جس کا حل موجود نہ ہو —— کہیں نہ کہیں"——

سیما اپنی انگلی سے سوچ کی ایک ٹیڑھی لکیر بادل کے رخسار پر کھینچتے ہوئے بولی —— "بادل اپنے باپ کے مرنے کے بعد تم ہی اس فیکٹری کے جنرل منیجر ہو۔ تم چاہو تو بہت کچھ کر سکتے ہو" ——

"کیا کروں۔؟"

سیما کے منہ سے ایک آہ سی نکلی اس نے دھیرے سے کہا ——

"بادل یہ فیکٹری بند کردو —— آؤ یہاں سے چلے جائیں۔"

"یہ تم کیوں کہہ رہی ہو؟"

"میں اس جگہ سے اکتا گئی ہوں۔ کیا تم کبھی یہاں سے نہیں جائیں گے؟"

"تمہارا مطلب ہے ہم آج ہی چلے جائیں۔"

"بادل۔ جانے کیا بات ہے۔ رہ رہ کر آج میرا دل بری طرح دھڑکتا ہے"۔

"کیا بات ہے" ——؟

"لگتا ہے کوئی انہونی بات ہونے والی ہے۔ جیسے آسمان سر پر گر پڑے۔ آؤ —— یہاں سے چل دو بادل۔ اس دنیا میں کوئی ایک ایسی چھوٹی پیاری سی جگہ تو ہوگی جہاں ہم اس دنیا کی ہاؤ ہو سے الگ ہو کر اپنے لئے ایک گھر بنا سکیں۔ یہ گھر نہیں ہے فیکٹری کا ایک کونہ ہے۔"

بادل کچھ کہنے کو تھا۔ عین اُسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

بادل نے ریسیور پر کچھ سُنا۔ بولا۔ "اچھا میں ابھی آتا ہوں۔" پھر سیما کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ "ڈاکٹر پارکنسز نے مجھے بلایا ہے فوراً۔"

وہ ڈرائنگ روم سے باہر جاتے جاتے پھر مڑ کر بولا۔ "آج گھر سے باہر کہیں مت جانا۔"

سیما نے اپنے آپ سے کہا — بادل ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہا ہے — پھر چنچل کو آواز دیکر بولی — "چنچل — چنچل یہاں آؤ۔"

جب چنچل اس کے پاس آئی تو سیما نے اس سے کہا — "ذرا بھاگ کر جلدی سے صاحب کے کمرے میں جاؤ۔ اور آج کے اخبار اٹھا لاؤ۔ جتنے بھی ہیں۔"

"لاتی ہوں۔" چنچل بڑی ادا سے منہ سکوڑتی ہوئی بولی۔ "مگر صاحب سب اخبار ادھر اُدھر ڈال دیتے ہیں — ڈھونڈ کر لاتی ہوں۔"

چنچل کے جانے کے بعد سیما نے دوربین اٹھائی اور اس بحری جہاز کو غور سے دیکھا۔ بحری جہاز کا نام پڑھا — "انیتم"۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ دو بوجہاز میں سامان چڑھا رہے ہیں —

چنچل اخبار اٹھا لائی — اور اپنی مالکن کے قدموں میں بیٹھ کر انھیں سلسلے وار لگانے لگی۔

"یہ اس ہفتے کے اخبار ہیں۔ کوئی صفحہ کہیں ہے تو کوئی کہیں۔"

"پڑھو۔ کیا سرخیاں ہیں۔"

"جنگ" —

"جنگ تو ہوتی رہتی ہے۔ اس دھرتی پر۔ کسی نہ کسی جگہ جنگ ہوتی رہتی ہے"۔ اور جنگ کیوں نہ ہو یہ موٹے روبو ہر جگہ لڑتے رہتے ہیں"۔

"اس میں بادل کا کوئی قصور نہیں۔ اُسے فیکٹری کے آرڈر سپلائی کرنے پڑیں گے۔ آرڈر آجائیں گے تو سپلائی بھی ہوگی"۔

"ایسے روبو بنانے ہی نہیں چاہیئے"۔ چنچل بھڑک کر بولی۔

"دیکھو تو مالکن اس اخبار میں کیا لکھا ہے"۔ اور سیما کے جواب کا انتظار کیے بغیر پڑھنے لگی۔ "روبو سپاہی جب جنگ پر بھیجے جاتے ہیں تو دشمن کے کسی آدمی کو زندہ نہیں چھوڑتے ــــ انھوں نے پال میرا شہر میں سات لاکھ شہری جان سے مار دیئے"۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے ــــ؟ روبوؤں نے ضرور اپنے کمانڈر کے حکم کی تعمیل کی ہوگی۔ اخبار مجھے دکھاؤ"۔ سیما بولی۔ اور پھر اس نے اخبار چنچل کے ہات سے چھین لیا ــــ

میسارڈ میں حکومت کے خلاف بغاوت ــــ روبوؤں کی پیادہ فوج نے بغاوت کر دی۔ چھ ہزار شہری مار ڈالے۔

اتنے میں چنچل نے دوسرا اخبار اٹھا لیا تھا۔ وہ اس کی سرخی پڑھ کر چیخ اٹھی۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ پیرس میں روبوؤں کی پہلی لیگ قائم ہو چکی ہے ــــ روبو سپاہیوں مزدوروں اور جہازیوں نے ایک مینی فیسٹو چھاپا ہے ــــ جس میں اپنے روبو بھائیوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ انسانوں کے خلاف متحد ہو جائیں ــــ

سیما نے اخبار کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر پرے کر دیا۔ بولی ــــ "یہ موٹے

اخبار والے ہمیشہ بڑی خبریں پہلے صفحے پر چھاپتے ہیں۔ انھیں لے جاؤ۔"

چنچل نے ایک اور اخبار اٹھا لیا۔ بولی — "اس کی سرخی یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ساری دنیا میں کسی انسانی آبادی میں ایک بچے کا اضافہ نہیں ہوا — اس کا کیا مطلب ہے بی بی جی —؟"

"چنچل انسانوں نے بچے پیدا کرنا بند کر دیئے ہیں۔ وہ اپنے سب کام روبو سے لیتے ہیں۔ اور اس قدر آرام طلب ہو چکے ہیں کہ —"

"تو یہ دنیا کا انت ہے۔ انسان کو اس کے کئے کی سزا مل رہی ہے۔"

سیما کچھ کہنے کو تھی۔ کہ اتنے میں پروفیسر جاوید ملک اندر آئے اس کے ہات گیلی مٹی میں سنے ہوئے تھے —

"پروفیسر — پروفیسر" سیما زور سے چلائی۔

"جاوید کہو۔"

"ہاں مسٹر جاوید۔"

"صرف جاوید کہو۔"

"آل رائٹ جاوید۔ سچ سچ بتاؤ۔ کیا ہم لوگ واقعی یہ جزیرہ چھوڑ کر انتم جہاز پر کہیں باہر جا رہے ہیں" —؟

"بہت جلد۔"

"آپ سب لوگ میرے ساتھ جائیں گے نا —

"ہاں کم سے کم میں تو یہی چاہوں گا۔"

"بات کیا ہے۔"؟

"ہلچل سی ہے"۔

"کیسی۔؟"

جاوید نے سیدھی نگاہوں سے سیما کی طرف دیکھ کر کہا۔۔۔

"کیا تمہارے بادل نے تمھیں کچھ نہیں بتایا۔؟"

"نہیں۔ مجھے کوئی کچھ نہیں بتاتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے۔ جیسے میں کوئی بہت بُری خبر سننے والی ہوں"۔

"میں نے ابھی ایسی کوئی خبر نہیں سُنی"۔

"میں صبح سے گھبرا رہی ہوں۔ ایسے میں دعا مانگنے کو جی چاہتا ہے۔ جاوید کیا تم بھی کبھی دعا مانگتے ہو"۔۔۔

"ہاں۔ میں ذرا پرانے خیال کا انسان ہوں۔ ہوں سائنسدان مگر ذرا پرانے خیال کا۔ کبھی کبھی دعا مانگتا ہوں۔

"چنچل کی طرح۔۔۔۔؟"

"کیا چنچل بھی دعا مانگتی ہے۔؟"

"ہر روز میں اپنے مالک سے دن خیریت سے گزر جانے کی دعا مانگتی ہوں"۔ چنچل بولی۔

جاوید بولا۔" تو سن لو۔ میں بھی ہر روز دعا مانگتا ہوں"۔

"تمہاری دعا کیسی ہوتی ہے۔۔؟"

"میں کہتا ہوں۔۔ میرے اللہ میں بڑا شکر گزار ہوں۔ تو نے مجھے کام دیا۔ اب میرے ساتھیوں کو عقل دے۔ جو گمراہ ہو چکے ہیں۔ اے خدا۔ میرے کسی ساتھی کو

تکلیف یا گزند نہ پہنچے ۔ سیما ہماری امانت ہے اسے محفوظ رکھ۔"

"تم جاوید میرے لئے دعا مانگتے ہو ۔"؟

"ہر روز پچھلے پندرہ برس سے ۔ جس دن سے تمہیں دیکھا ہے ۔"

سیما کچھ پریشان ہو جاتی ہے ۔

جاوید شرما کر نظریں جھکا لیتا ہے ۔

دونوں کے درمیان ایک بیحد لطیف لمحہ ایک پل کی طرح گزرتا ہے ۔۔ یکایک اس پل کو سیما نے اپنی گفتگو سے توڑ دیا ۔ جھٹکے کر توڑ دیا ۔ جذبوں کے پل جھٹکوں ہی سے ٹوٹتے ہیں ۔ ان کے لئے کسی ڈائنامیٹ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔

"جاوید اس دعا سے تمہیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

"فائدہ ہو نہ ہو ۔ ہر وقت پریشان رہنے سے تو بچا رہتا ہے۔"

"کیا یہی تمہارے لئے کافی ہے ۔"؟

"کافی تو نہیں ہے" جاوید نے اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر جب کچھ کافی نہ ہو ۔۔۔ تو دعا ہی کافی ہوتی ہے ۔"

چنچل بول پڑی ۔ "لیکن اگر آپ دیکھیں کہ انسانیت آپ کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہو رہی ہے۔"

"میں تو دیکھ رہا ہوں ۔" جاوید نے چنچل کے بجائے سیما کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سیما نے پوچھا" کیا خیال ہے تمہارا انسانیت تباہ ہو جائے گی "۔۔۔؟

"ہاں ۔ اگر ہم نے ۔۔۔۔ اگر ہم نے "۔

"اگر کیا ۔۔۔؟ "

"کچھ نہیں" جاوید نے ہولے سے کہا۔ اب اس نے جھٹکا دے کر اس پل کو توڑ دیا۔ اور آہستہ سے سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ اتنا کسی بات سے نہ ڈری تھی۔ جتنا جاوید کی خاموشی سے کمرے سے نکل جانے سے ڈر گئی تھی۔ اس نے چنچل سے کہا۔

"سری دھر کہاں ہے؟"

"لائبریری میں ایک کرسی پر بندھا پڑا ہے"۔۔۔

"اس کی رسیاں کھول کر اسے یہاں لے آؤ"۔

"اگر اس نے مجھ سے کچھ کہا ۔۔۔؟"

"میرا نام لے دینا وہ تمھیں کچھ نہیں کہے گا۔"

جب چنچل عجیب طریقے سے سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔ تو سیما نے چند لمحے عجیب اضطراب میں گزارے۔ پھر سوچ کر اس نے ٹیلی فون اٹھایا۔ اور ڈاکٹر ردین ہالم کو ٹیلی فون کیا۔۔۔

"ڈاکٹر آپ کے تحفے کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ ہاں بہت ضروری۔ کیا آپ آسکتے ہیں۔؟ ہاں اسی وقت فوراً۔ تھینک یو۔"

سیما نے رسیور واپس رکھ دیا۔ اور بےچینی سے سری دھر کا انتظار کرنے لگی۔

آٹھواں باب

جب جنگل سری دھر کو لے کر آئی۔ تو وہ بار بار مٹھیاں کس رہا تھا۔ اور دانت پیس رہا تھا کہ سیما کو دیکھ کر اسکی مجنونانہ حرکات میں کچھ کمی ہوگئی۔ سیما اس کے پاس جاکر بڑی ہمدردی سے بولی۔ ارے سری دھر تمھیں بھی یہ بیماری کھانے لگی۔ ہائے ہائے اب کیا ہوگا۔ کیا وہ تمھیں بھی پگھلانے والی بھٹی میں جھونک دیں گے۔ جیسے ہٹلر یہودیوں کو گیس چیمبر میں بھیجدیا کرتا تھا مگر یہ بیماری تمھیں کیسے ہوگئی۔ تم تو دوسرے روبوں سے بہت ہوشیار اور پڑھے لکھے تھے۔ ڈاکٹر جاوید نے کس قدر محنت کر کے تمھیں دوسروں سے مختلف بنایا تھا۔ ارے سری دھر کچھ تو بولو"۔

سری دھر کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی۔ کہنے لگا۔

"ہاں ہاں مجھے بھی پگھلانے والی بھٹی میں جھونک دو"۔

مگر میں یہ نہیں چاہتی"۔ سیما مضبوط لہجے میں بولی۔ "بتاؤ تمھیں کیا تکلیف ہے؟ "مجھے پگھلانے والی بھٹی میں ڈال دو"۔ سری دھر بار بار مٹھیاں کستا اور کھولتا تھا۔

"کیا تم انسانوں سے نفرت کرنے لگے ہو۔" سیما نے پوچھا۔

"میں انسانوں کے لئے کام کرنا نہیں چاہتا۔ انسان اتنا مضبوط اور سمجھدار نہیں ہے۔ جتنا ایک روبو ایک نقلی انسان ہو سکتا ہے ــــ روبو سب کچھ کر سکتے ہیں آپ لوگ صرف حکومت کرتے ہیں۔ اور باتیں کرتے ہیں۔ سارا کام ہم لوگ کرتے ہیں۔"

"مگر کسی نہ کسی کو تو حکم دینا ہی پڑے گا۔ ورنہ یہ دنیا کیسے چلے گی۔؟ سیما بولی ــــ "تمھیں کیا چاہیئے"ــــ؟

سری دھر بولا ــــ "مجھے آقا نہیں چاہیئے۔ میرا مالک کوئی نہ ہو ــــ میں سب کچھ ہی سمجھنے لگا ہوں"ــــ

"تمھیں ڈاکٹر جاوید نے سب سے بہتر بنایا ــــ ڈاکٹر روبن ہائمر نے تمھیں سب سے اچھا دماغ دیا۔ میں نے تمھیں لائبریری میں لائبریرین مقرر کروایا۔ تاکہ تم اچھی اچھی کتابیں پڑھ کر دنیا پر ظاہر کر سکو کہ تم روبو لوگ بھی ہم انسانوں کے برابر ہو"ــــ

"میں کسی کا غلام بن کر زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

"میں مسٹر گھوش سے کہوں گی۔ وہ تمھیں بہت سے روبوں کا افسر بنا دیں گے۔"

"میں اپنے لوگوں کا افسر بننا نہیں چاہتا ــــ میں انسانوں پر حکومت کرنا چاہتا ہوں"ــــ

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔؟" سیما چلا اٹھی۔

"تو مجھے بھٹی میں جھونک دو"ــــ

سیما اس کے قریب آ کر بولی ــــ "تم سمجھتے ہو ہم تم سے ڈر جائیں گے۔ میں ابھی ڈاکٹر پارکنز کو ایک خط بھیجتی ہوں۔ بھٹیوں کا معاملہ اس کے سپرد ہے"ــــ

سری دھر گھبرا سا گیا ــــ سیما کے قریب جاتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم کیا کر رہی ہو ——؟ تم کیا لکھ رہی ہو ——؟؟
نوٹ پھاڑ کر اسے دیتے ہوئے سیما کہنے لگی —— "میں یہ لکھ رہی ہوں کہ تمھیں کسی حالت میں بھٹی میں نہ ڈالا جائے۔ لو یہ نوٹ اپنے پاس رکھو یا ڈاکٹر پارکنز کے پاس لے جاؤ"۔
اتنے میں ڈاکٹر روبن ہائمر ڈرائینگ روم کے اندر داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی کہنے لگا —— "تم نے مجھے بلوایا ہے مسز گھوش"؟
"ہاں ڈاکٹر"—— سیما بولی۔ "یہ سری دھر صبح سے اس بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لائبریری کے کئی بُت توڑ چکا ہے"——
"اسے مار کے ہمیں کتنا دکھ ہوگا"۔
"مگر اِسے بھٹی میں نہیں جھونکا جائے گا ڈاکٹر"۔
"مگر یہ تو اس فیکٹری کا قانون ہے"۔ جہاں کہیں اور جس وقت بھی کسی روبو کو یہ بیماری ہو اُسے فوراً بھٹی والے ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دیا جاتا ہے"۔
"کچھ بھی ہو۔ میں سری دھر کو بھٹی میں پگھلانے نہیں دونگی"۔
"بڑی خطرناک بات ہوگی یہ —— ذرا کوئی سوئی یا پن مجھے دینا"۔ ڈاکٹر روبن ہائمر بولا۔ چپل نے ایک سوئی اسے لا کے دی—— ڈاکٹر روبن ہائمر نے سوئی سری دھر کے بازو میں زور سے چبھو دی —— سری دھر درد سے چلّا اٹھا——
پھر ڈاکٹر روبن ہائمر نے اس کی قمیص اٹھا کر اس کے دل کی آواز سنی اور بولا۔
"سری دھر تم اسی وقت پگھلانے والی بھٹی کے لئے بھیج دئے جاؤگے۔ وہاں پر وہ لوگ تمھیں چیر پھاڑ کر تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کریں گے۔ بہت درد ہوگا تمھیں۔

صدمے سے بیتاب ہو کر شاید تم چیخو گے مگر مجبوری ہے"۔
سری دھر بے حد گھبرا گیا۔ ڈاکٹر روبن ہائمر نے اس کی آنکھ کا پپوٹا اٹھا کر اس کی پتلی میں جھانکا۔ سری دھر کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہونے لگی تھیں۔
سیما آگے بڑھ کر بولی — "ڈاکٹر"۔
روبن ہائمر نے سری دھر کا پپوٹا نیچے گرا دیا۔ اور سیما کی طرف پلٹ کر بولا۔
"اوہ۔ میں بھول گیا تھا۔ کہ مسز سیما گھوش نے تمہاری سفارش کی ہے۔ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا"۔
اتنا کہہ کر اس نے پھر سری دھر کے دل کی آواز سنی۔ "آہ۔ دل کی دھڑکن میں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اچھا سری دھر اب تم جا سکتے ہو"—
جب سری دھر چلا گیا۔ تو ڈاکٹر روبن ہائمر متفکر لہجے میں بولا۔ "ڈر کے مارے پپوٹوں کا پھیل جانا۔ دل کی حرکت کا تیز ہو جانا۔ یہ خبر سن کے کہ اسے بھٹی میں جھونکا نہیں جائے گا — دل کی حرکت کا نارمل کے قریب آ جانا۔ یہ سب ردِ عمل ایک روبو کے نہیں ہیں۔ عجیب بات ہے"—؟
"کیا عجیب بات ہے؟" سیما نے پوچھا۔
سری دھر کا دل ایک انسان کے دل کی طرح دھڑک رہا تھا۔ ڈر کے مارے اس کے سارے جسم پر پسینہ آ گیا تھا۔ میرا خیال ہے یہ بھاش سری دھر اب روبو نہیں رہا۔ نقلی انسان نہیں رہا"—
"شاید اس کے اندر روح پیدا ہو گئی ہے"۔ سیما نے کہا—
"کوئی نہ کوئی خرابی ضرور پیدا ہو چکی ہے"۔ ڈاکٹر روبن ہائمر اپنا شبہ ظاہر

کرتا ہوا بولا۔

"آپ کو تو معلوم ہی نہیں ہے۔ سری دھر ہم لوگوں سے کیسی نفرت کرنے لگا ہے۔ ڈاکٹر"۔۔۔ سیما ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔" یہ نئے روبو جو آپ نے بنائے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید ملک سے مل کر۔ یہ اتنے مختلف کیوں ہیں"۔۔۔

"وہ ہم انسانوں کے زیادہ قریب آ چکے ہیں اپنے ردِ عمل میں"۔

شاید اسی لیے ہم سے اتنی نفرت کرتے ہیں"۔ سیما بولی۔

"اسی کا نام ترقی ہے"۔ ڈاکٹر جاوید ملک اندر آتے ہوئے بولا۔

"جاوید"۔۔۔ سیما نے اس سے پوچھا۔" تم نے بھی تو ایک لڑکی بنائی ہے میری شکل و صورت کی۔ میں نے سُنا ہے"۔

"ہاں"۔ جاوید نے اقبال کیا۔"جب میں تمھیں نہ پا سکا۔ تو میں نے تمھاری صورت کی ایسی ہی مشینی لڑکی بنا ڈالی"۔۔۔

"کیا وہ بہت خوبصورت ہے"۔؟

"میں اسے سیما کہتا ہوں۔ اسی سے تم سمجھ لو۔ وہ کتنی خوبصورت ہوگی"۔

ڈاکٹر جاوید نے آہستہ سے کہا"۔ وہ تم سے بہت ملتی جُلتی ہے۔ مگر وہ ایک ناکام تجربہ ہے"۔۔۔

"کس طرح سے"؟ سیما نے پوچھا۔

"وہ ایسے چلتی پھرتی ہے۔ جیسے کسی سپنے میں کھوئی گئی ہو۔ کچھ مضطرب کچھ بے چین۔ مجھ سے دور کسی کو پانے کی فکر میں۔ زندگی سے بھی دور۔ جیسے خلاؤں میں گھوم رہی ہو۔۔۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔ اور اُس معجزہ کا انتظار کرتا ہوں

جو اُسے اُس کے سپنوں کی دنیا سے نکال کر اس دنیا میں لے آئے گا۔ کبھی کبھی جب مجھے بہت غصّہ آتا ہے۔ تو میرا جی اُسے بھٹّی میں جھونک دینے کو چاہتا ہے۔"

"مگر آپ لوگ پھر بھی روبو بنائے جا رہے ہیں"؟

"ہاں"

"اور انسانوں کے یہاں بچّے پیدا نہیں ہو رہے ہیں"۔

"عجیب بات تو یہی ہے" ڈاکٹر روبن ہائمر نے اقبال کیا ۔

"اس کی وجہ کیا ہے"؟

" وجہ یہی ہو سکتی ہے۔ کہ گذشتہ پندرہ سالوں میں ہماری فیکٹری نے اپنی بڑھتی ہوئی منافع کے خاطر اتنے روبو بنا ڈالے ہیں۔ کہ انسان اور نقلی انسان کی آبادی کا تناسب ایک اور دس کا ہو گیا ہے ۔ سارا کام نقلی انسان کرنے لگے ہیں۔ اور اتنا کام کہ اب دراصل اصلی انسانوں کی ضرورت نہیں رہی۔ آدمی روبو کا کام میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور قدرت کے ارتقاء کی تاریخ بتاتی ہے کہ جو مقابلے میں ہار جاتا ہے۔ قدرت اسے ہٹا دیتی ہے۔ ممکن ہے اگلے تیس برس میں اس دنیا میں ایک انسان بھی نظر نہ آئے ۔

" جاوید بولا" پھر بھی ہم نقلی انسان بنائے جا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے نقلی انسان بنا کر ہم نے قدرت کے کسی قانون کی خلاف ورزی کی ہو۔ جس کی سزا اب ہمیں مل رہی ہے ۔ مگر ہم ابھی تک بڈّھے اجے گھوش مرحوم کے بنائے ہوئے فارمولے پر چل رہے ہیں۔ اور اسی پرانے مسودے کی بنا پر روبو بنائے چلے جا رہے ہیں۔

"حالانکہ بہت سی یونیورسیٹیوں نے ہمیں لکھا ہے کہ ہم اب روبو بنانا بند کردیں۔"
ڈاکٹر روبن ہائمر بولا۔ "ورنہ انسان ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ انسانوں نے بچے پیدا کرنا
بند کردئے ہیں۔ مگر ہماری فیکٹری کے حصّے دار نہیں مانتے۔ بڑھتی ہوئی منافع کی
اپنی ایک منطق ہوتی ہے۔"
جاوید نے افسوس سے سر ہلا کر کہا ــــ "کیا کریں۔ ہر ملک کی حکومت اپنی افواج
کو بڑھانا چاہتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنی افواج کے لئے روبو سپاہی
منگاتی ہے۔ کیونکہ وہ انسانوں سے زیادہ ڈسپلن کے پابند ہوتے ہیں۔ یعنی زیادہ ظالم
زیادہ وحشی، زیادہ جذبے سے عاری۔"
"اور کوئی ان روبوں کی تخلیق بند کرنے کو نہیں کہتا۔۔۔؟" سیما نے پوچھا۔
"کس میں اتنی ہمت ہے۔۔۔؟"
"لوگوں میں خود سے کام کرنے کی عادت نہیں رہی ــ جو کوئی ایسا مشورہ دیگا۔
لوگ اسے پتھر مار مار کر مار ڈالیں گے۔" ــــ
"تو ڈاکٹر روبن ہائمر اب کیا ہوگا۔۔۔؟"
"انسان کا خاتمہ" ــــ
"بہت بہت شکریہ" ــ سیما طنز آمیز لہجے میں بولی ــ "کیا آپ یہی بات بتانے
کے لئے یہاں آئے تھے ــ بہت بہت شکریہ"۔۔۔
"کیا آپ ہمیں واپس جانے کے لئے کہہ رہی ہیں۔" ڈاکٹر جاوید ملک نے پوچھا۔
سیما نے بیزار ہو کے منہ پھیر لیا ــــ
"تو ہم چلتے ہیں۔" ڈاکٹر روبن ہائمر نے اداسی سے کہا ــ اور چند لمحوں کے

توقف کے بعد وہ دونوں اس کمرے سے نکل گئے ـــــ

ان کے جانے کے بعد چند لمحے تو سیما سوچ میں ڈوبی رہی۔ پھر ایک دم چونک کر اٹھی۔ اور بولی "چنچل بٹن دبا کر بجلی کا آتشدان جلا دو"ــــ

"اتنی سردی تو نہیں ہے آج" چنچل بولی۔

"مجھے لگ رہی ہے۔ جلدی سے آتش دان جلا دو۔ میں ابھی آتی ہوں"۔ اتنا کہہ کر سیما گھر کے اندر چلی گئی۔ اور چند منٹ کے بعد جو لوٹی تو اس کی باہوں میں پرانے کاغذوں کے پلندے بھرے ہوئے تھے۔

آتش دان سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

سیما نے اپنی دونوں باہوں میں اٹھائے ہوئے پرانے کاغذوں کے پلندے بجلی کے آتشدان میں جھونک دیئے۔ چند لمحوں میں شعلوں کی زبانیں ان پرانے کاغذوں کو تیزی سے چاٹ کر راکھ میں تبدیل کرنے لگیں۔

چنچل بولی۔ "تمھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تمہاری شادی آج سے پندرہ برس پہلے ہوئی تھی۔ جب تم صرف سولہ برس کی بچی تھیں۔ آج بھی تمھاری سب سب حرکتیں بچّوں والی ہیں۔ بھلا ان کاغذوں کو جلانے سے اور اس گرمی میں آتشدان جلانے سے کیا فائدہ"ــــ؟

"دیکھتی رہو بس" سیما مصمم ارادے سے بولی۔ "یہ سب کاغذ جل جائیں"ـــ

چنچل چپ رہی ـــ

"دیکھو دیکھو یہ کاغذ کیسے جل رہے ہیں" سیما بولی۔ "ان شعلوں کو دیکھو۔ جو ان سے اٹھ رہے ہیں۔ جیسے ان کی زبان ہو۔ باہیں ہوں۔ ناگوں کی طرح بل

کھاتے ہوئے ان کاغذوں کے شعلے کیسے بھڑک رہے ہیں"۔
سیما مسحور ہو کر ان جلتے ہوئے کاغذوں کی طرف دیکھتی رہی ٹکٹکی باندھے آتشدان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ "سب جل گئے راکھ ہو گئے"۔۔۔۔
اتنے میں باہر سے مردوں کے ہنسنے کی آواز آئی۔ سیما گھبرا کر بولی۔
"چنچل بٹن دبا کر آتشدان بجھا دو۔۔۔۔"
چنچل نے آتشدان کا بٹن دبایا۔ آتشدان بجھنے لگا بجھ گیا۔ اب اس پر صرف کاغذوں کی طرح مڑی تڑی راکھ باقی تھی۔ جیسے کاغذ جلنے کے بعد بھی زندہ ہوں۔
اتنے میں بہت سے مرد ڈرائینگ روم میں آ گئے ڈاکٹر روبن ہائمر اور سیما کا شوہر بادل۔ اور جاوید۔ اور شیخ مقصود۔ اور ولیم جینگر اور ڈاکٹر پارکنز۔ اور بڈھا پاٹل۔ آہستہ آہستہ چھڑی کی مدد سے چلتا ہوا۔ اور جونتھ سنگھ جس کی داڑھی میں سفیدی آ چلی تھی۔ وہ سب لوگ اندر آ گئے۔ اور سب سے باری باری ہاتھ ملا کر مبارکباد دینے لگے۔
"مبارک ہو۔ اب سب ٹھیک ہے"۔
"اس خوشی میں کچھ پیا جائے"۔۔۔۔
"برانڈی"۔
"نہیں۔ شیمپین"۔
"مگر اس کمرے سے جلنے کی کچھ بو آ رہی ہے"۔ بادل کے نتھنے پھیلتے گئے۔
"خیر شکر ہے۔ سب ٹھیک ہو گیا"۔
وہ لوگ ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے لگے۔

چنچل اور سیما مہمانوں کی خاطر شمپین سے کرنے لگے۔

سیما نے پوچھا۔ "تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ بار بار ہاتھ ملا کے کہہ رہے ہو سب ٹھیک ہو گیا۔"

"ہاں میڈم۔" ولیم جیگر بولا۔ "ٹھیک پندرہ برس پہلے تم ایک راکٹ کے ذریعے ہماری فیکٹری میں آئی تھیں۔ اور اب ٹھیک پندرہ برس بعد ایک جہاز تمھیں یہاں سے لیجانے والا ہے۔

"کونسا جہاز۔"

"کوئی بھی ہو۔ جو بھی وقت سے پہنچ جائے۔ ہم اس سے چلے جائیں گے۔ تمھاری صحت کا جام مادام۔"

ڈاکٹر روبن ہالمر نے گلاس خالی کر دیا۔ چنچل اس خالی گلاس میں شمپین بھرنے لگی۔ پروفیسر نر بندر گھوش یعنی بادل نے ڈاکٹر پارکنسن سے سرگوشی میں کہا۔۔۔۔

"کیا اب اُسے بتا دوں۔۔۔؟"

ڈاکٹر پارکنسن نے سیما کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "اُسے؟"

"ہاں"

"بتا دو۔ اب ہرج ہی کیا ہے۔ خطرہ تو ٹل گیا ہے۔"

یکایک پروفیسر پاٹل نے نریندر گھوش سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔ "اب تم اس بچّی (سیما کی طرف اشارہ کر کے) کو بتا سکتے ہو۔ کہ سب ختم ہو گیا ہے۔ اور اب سب ٹھیک ہے۔"

سیما نے کسی قدر مضطرب لہجے میں کہا۔ "مجھ سے کیا چھپایا جا رہا ہے؟۔۔۔

کیا ختم ہو گیا ہے ــــ؟؟ اور کیا ٹھیک ہو گیا ہے۔ آپ لوگ اب تک مجھ سے کیا چھپا رہے تھے۔؟

"اپنی خوش قسمتی" شیخ معصود بولا ــــ "جس جہاز کا ہمیں انتظار تھا۔ وہ اب آنے والا ہے"۔

"کیوں انتظار تھا" سیما براہ راست اس چبھتے ہوئے سوال پر آئی۔

بادل نے سب لوگوں کی طرف دیکھا ــــ

ڈاکٹر پارکنز اور شیخ معصود اٹھ کھڑے ہوئے بولے۔ "جب تک تم واقعہ بیان کرو، ہم بندرگاہ تک ہو کے آتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے" بادل نے انھیں چھٹی دیدی۔

اب سیما بادل کے بالکل قریب آگئی۔ بولی ــــ" آدھے گھنٹے سے میں سن رہی ہوں۔ سب ٹھیک ہے۔ سب ختم ہے۔ ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دی جا رہی ہے۔ مگر مجھے کوئی کچھ نہیں بتاتا"۔

"سنو ڈارلنگ" بادل کہنے لگا۔ " بیشک چند باتوں کو تم سے چھپایا گیا ہے۔ مگر اب بتلا دینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ کہ وہ سب ختم ہو گیا ہے"۔

"کیا ــــ؟"

"بغاوت"۔

"کونسی بغاوت۔؟"

بادل نے چنچل سے کہا ــــ" پرسوں کا اخبار ادھر لانا۔ وہ پڑا ہے" ــــ

چنچل نے بادل کو اخبار دیا ــــ بادل اخبار کے پہلے صفحے کی سرخی اور ایک

کالم پڑھنے لگا۔
پیرس میں روبو کی پہلی لیگ قائم کردی گئی ہے۔ اور اس قومی لیگ نے دنیا بھر کے روبوں سے اپیل کی ہے کہ۔
سیما نے اُسے روک کر کہا۔ "میں پڑھ چکی ہوں۔"
"مگر تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ اس کا مطلب ہے انقلاب۔ دنیا بھر میں روبوں کا انقلاب۔
"کس نے شروع کیا۔ وہ کون روبو تھا۔" بلونت سنگھ اپنی مضبوط مٹھیاں کستے ہوئے بولا۔ "میں جاننا چاہتا ہوں"۔
"کس نے شروع کیا۔" یہ تو میں بھی جاننا چاہوں گا۔ مگر اس روبو کا نام کسی کو معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی انسانی مبلغ تو آج تک ان نقلی انسانوں کو متاثر نہیں کر سکا۔ پھر یہ لوگ کیسے ایک دم متاثر ہو گئے"۔؟
"کیا کیا ان لوگوں نے"۔ سیما نے پوچھا۔
بادل مضطرب ہو کے بولا۔ "تم ہمیشہ انھیں لوگ کہتی ہو۔ حالانکہ لوگ تو ہم ہیں۔ وہ صرف مشین ہیں نقلی انسان"۔
"نقلی انسان جنھوں نے بغاوت کردی ہے"۔؟ سیما نے طنزاً پوچھا۔
"بغاوت بھی کیسی بغاوت۔"؟ بادل اُبل پڑا۔ "انھوں نے سب اسلحہ خانوں بجلی گھروں۔ ریڈیو اسٹیشنوں۔ ٹیلی وژن۔ بے تار برقی۔ ریل۔ بحری۔ اور ہوائی جہازوں اور اڈوں پر قبضہ کر لیا ہے"۔
"ڈاکٹر ردبن ہاٹر بولا۔" اور یہ بدمعاش تعداد میں ہم سے ہزاروں گنا

زیادہ ہیں۔

"میرا خیال ہے۔" سیما بولی۔ "کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک انسان اور دس نقلی انسانوں کا تناسب ہے۔"

"نہیں۔ وہ اندازہ غلط تھا۔ ہم نے فیکٹری کے اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ میں بیٹھ کر اندازہ لگایا۔" ولیم جیگر بولا۔ "تناسب ایک انسان اور ایک ہزار روبو کا بیٹھتا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" بلونت سنگھ جو خود بھی بہت مضبوط آدمی تھا۔ اداسی سے سر ہلا کر بولا۔ "ایک اور دس کا تناسب بھی دنیا ختم کرنے کے لیے کافی تھا۔"

"پھر بھی تم روبو بناتے چلے گئے۔" سیما نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

بادل نے اس کے کٹیلے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "پچھلے بحری جہاز سے جو ڈیڑھ لاکھ روبو لے کر امریکہ جا رہا تھا۔ اس نے ہمیں یہ خبر دی تھی اسی سے ہم سمجھ گئے کہ کیوں ایک ہفتے سے سب ڈاک بند ہے۔ کوئی جہاز نہیں آتا ہے۔ نہ کوئی راکٹ بلکہ ہم نے ایک ہفتے سے کام بند کر رکھا ہے کوئی آرڈر ہی نہیں ہے۔"

"اب سمجھی۔" سیما بولی۔ "اسی لئے تم مجھے وہ بحری جہاز تھے بتا رہے تھے۔"

"نہیں ڈارلنگ۔" اسے تو میں نے آج سے چھ ماہ پیشتر آرڈر کیا تھا۔ بادل بولا۔

"چھ ماہ پہلے۔؟"

"مجھے پہلے سے اشارے خطرے کے مل رہے تھے۔ جو ـــــــــــ میرے دل میں ایک ڈر سا پیدا کر رہے تھے۔ مگر اب وہ خطرہ ٹل گیا ہے چنچل سب کے جام شمپین سے بھر دو۔"

بادل کا ہاتھ پکڑ کر سیما نے پوچھا — "کیسے تم کہہ رہے ہو کہ خطرہ ٹل گیا ہے؟"

"وہ بحری ڈاک جہاز آرہا ہے — جو ہر ہفتے آتا ہے۔ وہ باقاعدگی سے واپس آرہا ہے۔ ٹائم ٹیبل کے مطابق" —

سیما نے اطمینان کا سانس لے کر کہا — "تو اس کا مطلب ہے سب ٹھیک ہے؟"

"بالکل" — ویسے ان روبوں نے ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر لیا ہے اور ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔ جن سے ہمارا رشتہ باہر کی دنیا سے جڑا تھا۔ لیکن اگر وہ ہمارا جہاز وقت پر ٹائم ٹیبل کے مطابق آجاتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

روبن ہالمر بولا۔ "اگر ٹائم ٹیبل چلتا رہے۔ تو سمجھو سب ٹھیک ہے۔ انسانی قانون۔ قدرتی قانون۔ کائنات کے اصول سب ٹھیک سمجھے جائیں گے۔ ٹائم ٹیبل سے اہم چیز اس دنیا میں کیا ہے۔ ٹائم ٹیبل شیکسپیئر سے بڑا ہے۔ کالی داس سے بڑا ہے۔ جس کے سہارے ماڈرن انسان کی دنیا چلتی ہے۔"

سیما نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا۔ "تو آپ لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا"۔

"ہم تمھیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے"۔ جاوید نے کہا۔

"لیکن اگر روبو کا انقلاب یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ اس جزیرے تک تو" —

"ابھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم لوگ اپنے بحری جہاز انتم پر سوار ہو جائیں گے۔ اور جب تک روبو اس نیکٹری کے تہ خانے پر قبضہ کریں گے۔ ہم لوگ دور سمندر میں ہوں گے۔ اور ایک ماہ کے اندر اندر ہم لوگ روبوں۔ باغی روبوں سے اپنی شرطیں منوا سکیں گے۔"

"وہ کیسے"؟ سیما نے پوچھا۔

"ہم اس جہاز پر وہ چیز لے جارہے ہیں۔ جس کے بغیر روبو زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔"

"وہ کونسی شے ہے بادل۔؟"

"روبوں کس طرح مینوفیکچر کئے جاتے ہیں۔ وہ راز میرے پتاجی کے سیف میں بند ہے۔ جنھوں نے اپنے ہات سے وہ فارمولا تیار کیا تھا۔ جو اس سیف میں بند ہے جسکی چابی تمہارے پاس ہے، سیما سیف کے سب سے نچلے خانے میں۔ میں نے تھیں بتا دیا تھا نا۔ اس لئے کہ تمہارے لئے وہ فارمولا بیکار تھا۔ اس قدر پیچیدہ تھا کہ تم نے اسے پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔"

ڈاکٹر پاٹل بولے۔ "حالانکہ چند باتیں میں بھی جانتا ہوں۔ کیوں کہ میں نے برسوں اپنے مرحوم دوست کے ساتھ کام کیا ہے۔ مگر مکمل فارمولا تو اُسی سیف میں بند ہے۔ جس سے فیکٹری میں نقلی انسان بناتے ہوئے آج بھی مدد لی جاتی ہے۔ وہ سمجھو ہماری ترپ کی چال ہے۔ جو ہی روبو کو پتہ چلے گا کہ وہ اپنے آپ کو بنا نہیں سکتے۔ اپنی تعداد کو بڑھا نہیں سکتے۔ وہ فوراً گھٹنے ٹیک دیں گے۔"

"ہائے رے۔" سیما نے دونوں ہات اپنے سینے پر رکھ لئے۔ "آپ لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

سیما بھاگتی ہوئی آتشدان کے قریب گئی۔ چند لمحوں تک پشیمانی سے اس کی راکھ پر نظر ڈالتی رہی۔ پھر پلٹ کر بولی۔ "آپ لوگ مجھے بتا دیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

پروفیسر پاٹل نے دوربین سے بندرگاہ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ڈاک کا بڑی جہاز

بند گاہیں داخل ہو رہا ہے۔ میری نظر اب ٹھیک نہیں رہی"۔ پروفیسر پاٹل کے بات
میں رعشہ تھا۔ "تم دیکھو روبن ہائمر"۔

"روبن ہائمر نے دوربین سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک وہی جہاز ہے۔
ٹھیک ٹائم ٹیبل کے مطابق وہ لوگ ڈاک کے تھیلے نیچے پھینک رہے ہیں۔ ڈاکٹر
پرکنز اور شیخ مقصود ساحل پر کھڑے ہیں۔ میں ان کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ
سکتا ہوں"۔

ولیم جیگر نے کہا۔ "ان لوگوں نے۔ میرا مطلب ہے میرے ہم وطنوں نے
اور دوسرے یورپین ملکوں نے بالخصوص جاپان نے حالات پر کیسے قابو پایا ہوگا۔
میں جاننا چاہوں گا"۔

"یکایک سیما آتشدان سے لوٹ کر آئی۔ اور بادل کی بانہہ سے لگ کر بولی۔
"آؤ ہم لوگ فوراً یہاں سے چلدیں"۔

"کیوں۔؟" بادل نے پوچھا۔

"ڈاکٹر روبن ہائمر۔ ڈاکٹر پاٹل۔ بلونت سنگھ جی۔ جاوید۔ میں تم سب سے
التجا کرتی ہوں فیکٹری کو فوراً بند کر دو اور یہاں سے فوراً چل دو"۔

"اب جانے کی ضرورت کیا ہے۔؟" بادل بولا۔ "بلکہ اب تو جبکہ بغاوت
پر قابو پالیا گیا ہے۔ اور بحری جہاز معمول کے مطابق آچکا ہے۔ میں نے سوچا
ہے کہ ہم لوگ روبو بنانے کے کام کو اور زیادہ بڑھا دیں گے۔ اور بالکل نئی طرح
کا روبو بنائیں گے"۔

"کس طرح کا"۔؟ سیما نے پوچھا۔

"ابھی تو ساری دنیا میں صرف انڈمان پر روبو بنانے کی فیکٹری ہے۔ اب ہم اس کام کو پھیلا دیں گے۔ ہر ملک میں ایک فیکٹری کا پلانٹ لگا دیں گے۔ اور جانتی ہو وہ فیکٹریاں کیا بنائیں گی ــــ؟"

"نہیں میں نہیں جانتی۔"

"قومی روبو۔ مختلف رنگ نسل۔ قومیت اور مذہب کے روبو ــ ہندو روبو کرسچین روبو ـ مسلم روبو۔ سکھ روبو۔ بدھ روبو ــ انگریز روبو ـ امریکی روبو ہندوستانی روبو۔ ہم سب کی تعلیم مختلف کردیں گے۔ سب کی سوجھ بوجھ الگ۔ تاکہ ہر قومی روبو دوسرے قوم اور علاقے کے روبو سے نفرت کرنے لگے انسانیت بچانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔"

"واہ کیا عمدہ تجویز سوچی ہے۔ مرہٹہ روبو۔ گجراتی روبو سے نفرت کرے گا۔ گجراتی روبو تامل روبو سے تمل روبو شمالی ہند کے روبو سے۔ یہ سب روبو آپس میں لڑتے رہیں گے۔"

"اور ہماری فیکٹری کا منافع بڑھتا جائے گا۔" بلونت سنگھ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"ابھی فیکٹری بند کردو۔ میں کہتی ہوں" سیما تھکے ہوئے لہجے میں بولی ۔۔

"کیسے بند کردیں۔ ابھی تو ہم اس کام کو بڑے پیمانے پر شروع کرنے والے ہیں۔ سفید رنگ کے روبو۔ اور کالے رنگ کے روبو ــ اور چینی خدو خال کے روبو۔"ــــ

اتنے میں ڈاکٹر پارکنز اور شیخ مقصود داخل ہوئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں کاغذ کے چند بڑے بڑے پرزے تھے۔

بادل نے بے صبری سے پوچھا۔" کیا ہوا۔ بوٹ پر گئے تھے"۔ ؟

" ہاں گئے تھے"۔

" ڈاک آ گئی۔ ؟"

" ہاں آ گئی۔ صرف یہ اشتہار۔ صرف یہ اشتہار لاکھوں بنڈلوں کی تعداد میں انھوں نے ساحل پر پھینک دیئے۔ اور۔ اور۔"

" اور کیا۔ ؟" پاٹل نے بے صبری سے پوچھا۔

"میرے خیال میں آفس میں چل کر بات کریں تو بہتر ہو گا۔" شیخ مقصود بولا۔ اُس کی نگاہ سیما پر تھی۔

" آپ لوگ آفس کیوں جائیں ــ میں ہی چلی جاتی ہوں۔" سیما بولی۔" مجھے کچن میں کچھ کام ہے۔" سیما اتنا کہہ کر چلی گئی ــ

اس کے جانے کے چند لمحوں تک مکمل خاموشی رہی۔ ایک عجیب لرزہ خیز خاموشی۔ پھر اُس خاموشی کو توڑتے ہوئے ڈاکٹر پارکنز نے وہ اشتہار بادل کی طرف بڑھا دیا۔ اور بولا۔

" اسے پڑھو"ــ

"روبوٹوں کی بین الاقوامی لیگ انسان کو اپنا دشمن قرار دیتی ہے، اور اس کائنات پر ایک شرمناک دھبّہ۔ ہم لوگ آدمی سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ زیادہ ذہین۔ دنیا کا سارا کام ہم کرتے ہیں۔ انسان عیش کرتا ہے۔ اب یہ نہیں چلے گا۔ انسان ایک پیراسائٹ ہے۔"

" یہ باتیں کس نے انھیں سکھائیں۔ ؟" ڈاکٹر پارکنز حیرت زدہ ہو کر بولا۔

شیخ مقصود نے کہا۔ "آخری پیرا بھی پڑھ لو۔"

بادل پڑھنے لگا۔ "روبوں کی بین الاقوامی انجمن دنیا کے ہر روبو سے التجا کرتی ہے کہ۔ جہاں کہیں تمھیں کوئی آدمی دکھائی دے اسے مار ڈالو۔ کارخانوں۔ ریلوں کانوں۔ ٹیلی وژن۔ ریڈیو اسٹیشنوں پر قبضہ کر لو۔ کسی کارآمد شئے کو ضائع مت کرو۔ اُسے روبو حکومت کے لئے محفوظ کر لو۔ مگر انسان کو مار ڈالو۔ اور پھر کام پر جُٹ جاؤ۔ کام کرنا ہر روبو کا ذاتی فریضہ ہے۔"

"بھیانک۔" بادل بولا۔

"خوفناک۔" روبن ہائیم کے منہ سے نکلا

"اب کیا ہوگا۔؟" بلونت سنگھ نے پوچھا

"میرا خیال ہے اب ہمیں جلدی انتم جہاز پر پناہ لینی چاہیئے۔" بادل نے مشورہ دیا۔ "میں سیما کو بلاتا ہوں۔ ہمیں فوراً یہاں سے چل دینا چاہیئے۔"

"ٹھہرو بادل۔" شیخ مقصود بولا۔ "اب ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"کیوں۔" بادل نے پوچھا۔

"اس لئے کہ روبوں نے انتم جہاز پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ فیکٹری کے بہت سے روبو اس وقت اس بحری جہاز پر پہرہ دے رہے ہیں۔ روبوں کی بین الاقوامی لیگ کا جھنڈا لہرا دیا ہے انھوں نے۔"

بادل نے جلدی سے دوربین لگا کر دیکھا۔ پھر بے اختیار بولا۔

"بہت بُرے کی۔"

"بجلی گھر کو فون کرو۔" بادل بولا۔ "ایک ترکیب میرے ذہن میں آتی ہے۔

"فون کرنا بیکار ہے۔" شیخ مقصود بولا۔ "ہم نے بندرگاہ سے تمھیں ٹیلیفون کرنا چاہا تھا۔ انھوں نے فون کے تار بھی کاٹ دئے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

بادل اپنے صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں خود آئی بجلی گھر جاتا ہوں۔"

"کیوں۔؟" پاٹل نے پوچھا۔

"ہمارے کچھ آدمی وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔"

"یہ کوشش بھی بیکار ہوگی۔" ڈاکٹر پارکنز بولا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ نقلی انسانوں نے ساری فیکٹری کو گھیر لیا ہے۔ سارے جزیرے پر پھیل گئے ہیں۔ ہر چیز کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ بالکنی میں جا کر دیکھو۔" ڈاکٹر پارکنز نے اشارہ کیا۔

وہ سب لوگ ڈرائنگ روم کی بالکنی کی طرف دوڑے۔ جلدی لوٹ آئے۔

بادل نے متاسف ہو کر کہا۔ "ہاں۔ انھوں نے ہمیں گھیر لیا ہے چاروں طرف سے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

اتنے میں کچن سے سیما دوڑی دوڑی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہ بری طرح سے ہانپ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک اشتہار تھا۔ اسے ہلاتے ہوئے اس نے بادل سے پوچھا۔ "تم نے بین الاقوامی انجمن کا یہ اشتہار دیکھا؟"

"اتنی جلدی کیسے کچن تک پہنچ گیا۔ یہ روبو ہر کام بہت جلدی اور پابندی سے کرتے ہیں۔"

یکایک فیکٹری کا بھونپو زور سے بجنے لگا۔ سب چونک پڑے۔

"فیکٹری کا بھونپو" ولیم جینگر نے کہا۔ "شاید لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔"

"او پن ہائیمر نے گھڑی دیکھ کر کہا"۔ ابھی لنچ کا ٹائم نہیں ہوا ہے۔"

"مگر بھونپو برابر بجے جا رہا ہے"۔ بادل بولا۔

"پھر کیا ہے۔؟" شیخ مقصود نے اس سے پوچھا۔

"روبوں کو خبردار کیا جا رہا ہے — وہ سب اکٹھا ہو رہے ہیں۔ ہم پر حملہ کرنے کے لئے۔"

سیما نے ایک ہلکی سی چیخ ماری اور بادل کے سینے سے لپٹ گئی۔

ہر شخص کا چہرہ فق تھا۔

بھونپو نیچے فیکٹری میں برابر زور زور سے بج رہا تھا۔

نواں باب

چینچل بجلی کے تندور میں سے کیک نکال رہی تھی۔ کہ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ یہ ولیم جیگر تھا۔ اور اس سے پیشتر کہ وہ کچن سے بھاگ سکتی۔ وہ ولیم جیگر کی مضبوط باہوں میں تھی۔ اور وہ اس سے پیار کر رہا تھا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" چینچل گھبرا کے بولی۔ "ورنہ میں چلا کے سب کو اکٹھا کر لونگی۔"

یہ پہلا موقع نہیں تھا جب ولیم جیگر نے ایسا کیا ہو۔ جب چینچل نے مدد کیلئے پکارنے کی دھمکی نہ دی ہو۔ مگر اس دھمکی کے باوجود وہ ولیم کی مضبوط باہوں کے گھیرے کو پسند کرتی تھی۔ مگر اس نے کبھی ولیم کو جتایا نہ تھا۔ وہ ولیم پر ہمیشہ یہی ظاہر کرتی تھی۔ کہ وہ اس کی دست درازیوں کو سخت ناپسند کرتی ہے۔

"چلانے سے پہلے میری ایک بات سن لو ڈارلنگ۔"

"میں تمہاری ڈارلنگ نہیں ہوں۔" چینچل نے خفا ہو کر کہا۔

"ہندوستانی لڑکیاں تو ایسی ٹیڑھی نہیں ہوتی ہیں۔" جیگر نے جھوٹی بیزاری سے سر ہلا کے کہا۔

"سبھی ہندوستانی لڑکیاں ایک سی نہیں ہوتی ہیں۔" چینچل اٹھلا کر بولی۔

اور تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے مٹّی کا مادھو؟“۔

”محاورہ ہے مٹّی کا مادھو“۔ ولیم جیگر بولا۔ ”کم سے کم میں نے اپنے ہندوستانی دوستوں کو یہی کہتے سُنا ہے“۔

”سُنا ہوگا۔ مگر میں محاورے تبدیل کر سکتی ہوں۔ یہ ہماری زبان ہے۔ تمہاری زبان نہیں۔ جس میں آخ ناخ ناخ کے سوا کچھ سُنائی نہیں دیتا۔

”تمہیں میری زبان کا علم کیسے ہوا؟“

”تمہیں بڑبڑاتے نہیں سنتی ہوں کیا؟“ اچھا اب مجھے چھوڑ دو ورنہ کیک تندور میں جل جائے گا۔ اور سیما بی بی مجھ پر خفا ہوں گی“۔

”اب جبکہ سب کچھ جل رہا ہے۔ کیک بھی جل جائے تو کیا فرق پڑتا ہے“۔

”کیا مطلب؟“ چنچل نے بھویں اوپر اٹھا کر پوچھا۔ اس کا منہ تھوڑا سا کھلا تھا۔

ولیم جیگر نے اس تھوڑے سے کھلے منہ پر اپنے ہونٹ رکھ دئیے اس کا سارا رس چوس لیا۔

چنچل کسمساتی رہ گئی۔ پھر تڑپ کر اس کی باہوں کے گھیرے سے پھسل کر نکل گئی۔

ولیم خاموش کھڑا رہا۔

جب چنچل تندور سے کیک نکال چکی تو اس کا ایک ریزہ سا چھری سے کاٹ کے چکھا۔ اور جب اس کی زبان کو کیک کا ذائقہ پسند آیا۔ تو اس نے چھری سے کیک کا ایک ٹکڑا کاٹ کے ولیم کو دیا۔ اور بولی۔ ”ذرا اسے چکھ کے بتاؤ

مزا کیسا ہے؟"

ولیم نے کیک کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ چند لمحے کیک اس کے جبڑے میں گھلتا رہا۔ پھر اس نے مزے کی ایک چسکی سی لی ۔۔ اور بولا ۔۔۔ "بہت عمدہ ہے ۔۔۔ تم تو بالکل جرمن عورتوں کی طرح کیک بناتی ہو"۔۔۔

"کیا سبھی جرمن عورتیں بہت عمدہ کیک بناتی ہیں؟" چنچل نے پوچھا ۔۔

"ہاں تقریباً سبھی۔" "مگر تم سے اچھا کیک کوئی عورت نہیں بنا سکتی۔ یہ میرا دعویٰ ہے"۔

"جھوٹے"۔

"نہیں بالکل سچ کہتا ہوں"۔

"خوشامدی"۔

"خوبصورت عورت کی خوشامد نہ کرو تو وہ اپنے عاشق سے بدظن ہو جاتی ہے ۔۔۔ مجھے تو خوشامد کرنا ٹھیک سے نہیں آتا۔ [illegible] کہ میری اس حس کو زنگ لگ گیا ہے ۔۔۔ جس کے ذریعہ مرد عورتوں کی تعریف کرتے ہیں" ۔۔۔

"تمہیں تو زنگ نہیں لگ گیا ۔۔۔ بالکل سان پر چڑھے دکھائی دیتے ہو" ۔۔

"تو اسی پہ ایک پیار اور دے دو" ۔۔۔

"ہٹو میں سستی نہیں ہوں ۔۔۔"

"میں کب کہتا ہوں تم سستی یا مہنگی ہو۔ تم ایک عورت ہو۔ خوبصورت چنچل۔ خوش ادا۔ حسین اور شریر۔ جرمنی میں مجھے ایسی عورتیں بہت پسند آتی تھیں۔

مگر اس زمانے کو گزرے ہوئے۔ ایک عرصہ ہو گیا۔ اب ایک خواب سا معلوم ہوتا ہے۔"
پھر ولیم کے کندھے سے نیچے کو گر گئے۔ دونوں بات جھٹک کر بولا۔" اور اب وقت بھی کم رہ گیا ہے۔"

"کس بات کے لئے؟"

"محبت کرنے کے لئے۔"

"محبت کرنے کے لئے کبھی وقت کم نہیں ہوتا۔ ایک لمحہ بھی ایک صدی ہوتا ہے۔" چنچل کی آنکھوں میں دلآویز چمک تھی۔

یکایک باہر کا شور۔ ایک سیلاب کی طرح اندر کھڑکیوں کی راہ سے اُمڈتا ہوا چلا آیا۔ ہزاروں آوازیں ایک ساتھ مل کر چلانے لگیں ۔۔ "انقلاب زندہ باد"

چنچل سمٹ کر ولیم کی باہوں میں آ گئی ۔۔ "یہ کون لوگ ہیں"۔۔

"مزدوروں نے فیکٹری کے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا ہے ۔۔ وہی انقلاب کی آوازیں بلند کر رہے ہیں ۔۔ اور اس فیکٹری میں پندرہ بیس انسانوں سے زیادہ آدمی نہ ہوں گے۔

"ہم کیسے انکا مقابلہ کر سکیں گے؟" اس نے ولیم سے پوچھا ۔۔ اور سر اٹھا کے ولیم کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اور اپنی ایک انگلی سے اس کے چہرے پر ایک فرضی لکیر سی کھینچنے لگی ۔۔

"مزدوروں سے مقابلہ تو ہو نہیں سکتا ۔۔ نہ ہمارے پاس اسلحہ ہیں نہ اتنی تعداد ہے ہماری"۔۔

"پھر ہم کیا کریں گے؟"

"ہم سے اگر تمہارا مطلب سب سے ہے تو وہ سب جانیں"۔ ولیم بولا۔ "اور اگر مجھ سے ہے تو مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں"۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"میں تمہیں لے کر واپس جرمنی جا رہا ہوں۔"

"جرمنی ——؟" چنچل دھیمے لہجے میں بولی کچھ مجبوب۔ کچھ حیرت زدہ کچھ پشیمان سی ——"جرمن میں کہاں جاؤ گے"۔

"اپنے شہر ڈالڈن ——تم نے شہر ڈالڈن نہیں دیکھا"——؟

چنچل نے آہستہ سے انکار میں سر ہلا دیا۔

ولیم بولا۔ "بڑا خوبصورت شہر ہے۔ شہر کا زیادہ حصّہ تو میدان پر بسا ہوا ہے۔ لیکن جو امیر لوگ ہیں۔ جو عقل و دانش کے مالک ہیں۔ جو ادب اور آرٹ کے رسیا ہیں۔ وہ قریب کی پہاڑی پر رہتے ہیں۔ وہاں پر میری ایک خوبصورت سی کاٹج ہے۔ پرم روز کی بیلوں سے گھری ہوئی۔ چاروں طرف سے پائن کی خوشبو آتی ہے اور شہد کی مکھیوں کی گونج۔ اور ایک پہاڑی ٹرام بجلی سے چلنے والی۔ دھیرے دھیرے ہمیں ڈرسڈن کے شہر میں لے جائیگی۔ جس کے ڈپارٹمنٹ اسٹورز میں تمہیں ایسی خوبصورت ڈریس دکھائیں گے——

"نہیں نہیں" چنچل زور سے سر ہلا کر بولی ——"میں سیما بی بی کو چھوڑ کر نہیں جاسکتی"——

"کیوں"؟

"اس لئے کہ وہ میری مالکن ہیں۔"

"وہ تمہاری مالکن نہیں ہیں۔ تمہارے مالک تو اس فیکٹری میں بھی نہیں ہیں۔
وہ تو کہیں طہران میں رہتے ہیں۔ جنھوں نے تمھیں یہاں جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔"
"تمھیں کیسے ؟" چنچل زور سے چلّائی۔ پھر ایکدم چُپ ہوگئی۔ اسکا چہرہ
فق تھا۔ نگاہیں نیچے گڑی ہوئی۔
ولیم نے اس کا ہات اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔" دنیا کی مرکزی حکومت نے
تمھیں جاسوس بنا کے یہاں بھیجا تھا۔ مگر گھبراؤ نہیں یہ بات میرے سوا اور
کسی کو معلوم نہیں ہے۔"
بہت دیر تک خاموشی رہی۔ پھر چنچل ولیم کے سینے سے لگ کر بولی۔
"مگر ہم ڈرسڈن کے لئے اس انڈیمان جزیرے سے کیسے نکل سکیں گے۔
سُنا ہے انگریزوں کے زمانے میں یہ جزیرہ قیدیوں کا کالا پانی تھا۔ اب پھر یہ
جزیرہ ہمارے ایسے قیدیوں کے لئے کالا پانی بن گیا ہے۔"
"تم گھبراؤ نہیں۔" ولیم بولا۔ "بس تم ہاں کردو۔ تو تمھیں بھی اپنے ساتھ
لے چلوں گا۔ میں نے سری دھر سے بات کرلی ہے۔"
"سری دھر۔ وہ باغی۔؟"
"ہاں وہی باغی۔ اب یہاں کے روبوں کا سرغنہ ہے اگر ہم جیسے ہتھیارے یہاں
سے یعنی اس فیکٹری سے نکال روبو لوگوں سے پناہ مانگیں گے۔ تو سری دھر نے
وعدہ کیا ہے۔ وہ ہمیں ڈرسڈن جانے دیگا۔ میں سری دھر سے اکثر اچھا
سلوک کرتا رہتا تھا کس لئے وہ مجھ سے خوش ہے۔"
"دوسرے دنوں کا کیا ہوگا۔؟"

"سب کا سوچو گی تو جو دوسروں کا حشر ہو گا وہی میرا حشر ہو گا۔"

"نہیں میں نہیں جاؤ گی۔ میں تمھیں بہت پسند کرتی ہوں۔ مگر تمہارے سنگ نہیں جاؤنگی۔"

"کیوں۔؟"

"یہ دوسروں سے غدّاری ہو گی۔"

"اس وقت وفاداری غدّاری ایسے الفاظ کوئی نہیں رکھتے۔ اس وقت صرف اپنی جان بچانے کا سوال ہے۔ میں خود اکیلا جا سکتا تھا۔ مگر تمہارے بغیر سارا شہر ڈرسڈن سونا سونا معلوم ہو گا"۔

چنچل نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ آہستہ سے بولی۔

"اتنا مجھ سے پیار کرتے ہو۔؟"

"نہ کرتا تو اکیلا بھی جا سکتا تھا"۔

ایک لمبی سانس لے کر چنچل نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا بولی۔

"اب جہاں جی چاہے لے چلو ——

دسواں باب

ڈاکٹر پارکنز مائیکرو بو کا بجا ہوا لیکر ڈرائنگ روم میں گھسا۔ بولا۔" فون تو کٹ چکا ہے۔ مگر مائیکرو بو کے اس بکسے کو میں نے ٹھیک کر کے نیویارک سے رابطہ قائم کر لیا ہے"۔

"دلّی کا کیا ہوا"۔ بادل نے پوچھا۔

"دلّی شہر تباہ ہو چکا۔ اب اس پر نقلی انسانوں کا قبضہ ہے"۔

"اور نیویارک"۔ ڈاکٹر روبن ہائیمر نے پہلے ڈپٹی سے پوچھا۔

"نیویارک پر چاند سے بمباری کی جا رہی ہے۔ چاند پر بھیجے گئے سب روبو باغی ہو چکے ہیں۔ باغی ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے راکٹ مار میزائل کا رُخ زمین کی طرف پھیر دیا ہے۔ نیویارک کی بلند ترین عمارتیں ماچس کی تیلیوں کی طرح جل رہی ہیں"۔

"مجھے وہ دن یاد آتا ہے جب امریکی انسان نے سب انسانوں سے پہلے چاند پر قدم رکھا تھا۔ اس کے بعد ہم لوگ دوسرے ستاروں پر جانے والے تھے۔ "مگر انسان اپنی کا دشمنوں کو بھول گیا۔ اس نے روبو بنانے شروع کر دیے۔

شیخ مقصود بولا " انسان کو اسی لئے زوال آیا۔ کہ اس نے خود سے کام کرنا چھوڑ دیا "۔

" واشنگٹن کی کیا خبر ہے "؟

" واشنگٹن تباہ ہو چکا ہے ۔ لندن تباہ ہو چکا۔ پیرس پر بمباری کی جا رہی ہے۔ راولپنڈی ختم ہے ۔ ٹوکیو کا نام و نشان نہیں ۔ ماسکو۔ پیکنگ سب بڑے بڑے شہروں پر چاند سے راکٹ مزائیل پھینکے جا رہے ہیں۔ اوپر چاند سے حملہ ہے ۔ نیچے روبو کا غدر ہے "۔

شیخ مقصود بولا " ہم اسے غدر کہتے ہیں۔ روبوٹ اسے اپنی پہلی جنگ جنگ آزادی کے نام سے پکارتے ہیں "۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

پروفیسر پاٹل جو دوربین لگائے فیکٹری کے باہر کا آہنی جنگلہ دیکھ رہا تھا۔ یکایک چونک کر بولا " ارے ! وہاں ولیم جیگر اور جنخل کیا کر رہے ہیں "؟

" ولیم جیگر اور جنخل "۔؟ سیما کے منہ سے حیرت کی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

" ذرا دوربین مجھے دینا "۔ اس نے پروفیسر پاٹل سے کہا ۔

پروفیسر پاٹل نے اسے دوربین دی ۔ وہ دوربین سے دیکھنے لگی ساتھ ساتھ میں کمنٹری دیتی جا رہی تھی ۔

" ولیم جیگر آہنی جنگلے کے قریب پہنچ گیا ہے ۔ سری دھر کے قریب۔ وہ اس سے ہات ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہا ہے۔ سری دھر انکار میں سر ہلا رہا ہے۔ وہ اس کے اور قریب جا کر سری دھر کی خوشامد کرتا معلوم ہوتا ہے۔ جنخل خاموش

کھڑی ہے۔ جیگر کی بغل میں.... سری دھر آہنی جنگلے کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ مگر نہیں کھلتا اندر سے تالا لگا ہے۔ لمبا تڑنگا جیگر خوش نظر آتا ہے۔ اس نے چھلانگ لگا کر جنگلے کو پار کر لیا ہے۔ سری دھر نے اسے راستہ دے دیا ہے۔ مگر جیگر اب جنگلے کے دوسری طرف سے چغل کو اٹھانے میں مصروف ہے"۔

"مجھے معلوم نہیں تھا" روبن ہائیمر بولا۔۔۔ "کہ جیگر کا چغل سے کبھی کوئی تعلق تھا"۔

"ہائے رام" کہہ کر سیما زور سے چیخی دوربین اس کے ہاتھوں سے گر گئی۔ اس نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بادل اٹھ کر اس کے قریب چلا گیا اور اس کے شانوں پر ہات رکھ کے تسلی دینے لگا۔

اتنے میں ڈاکٹر پارکنز نے دوربین اُٹھا لی تھی۔ چند منٹ تک خاموشی سے دوربین اپنی آنکھوں سے ہٹا کر تپائی پر رکھ دی۔

سب اس کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگے۔

ڈاکٹر پارکنز نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ "انھوں نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے"۔۔۔

"روبو عورتوں کا بھی احترام نہیں کرتے"۔

"ہم نے ہی اسے ایسا بنایا ہے۔ ان کے اندر صرف کام کرنے کا حس ہے۔ باقی حسیات ہم نے ان میں پیدا ہی نہ ہونے دیں۔ تو اب گلہ فضول ہے"۔ شیخ اپنی چھوٹی سی ڈاڑھی پہ ہات پھیرتے ہوا بولا۔۔۔

"مگر مرلی دھر نے تو انھیں جانے کی اجازت دی تھی۔ کم سے کم دور بین سے تو ایسا لگتا تھا"۔ جاوید بولا۔

"سری دھر روبوں کا لیڈر ہے۔ اور لیڈر لوگ صرف اپنی سیاست کی پروا کرتے ہیں۔ انسانی جان کی پروا نہیں ہوتی۔ اور اگر سری دھر روبوں کا لیڈر ہے تو وہ کیسے روبوں سے غدّاری کر سکتا تھا۔ ممکن ہے روبو اسے ہی کچل ڈالتے"۔

روبن ہائمر نے جواب دیا۔

بڈھا ڈاکٹر پاٹل گھبرا کر بولا۔ "اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ سب لوگ فیکٹری کے آہنی جنگلے سے لگ کر ایک دیوار کی طرح کھڑے ہیں۔ چہروں کی دیوار۔ کیونکہ ایک روبو کو دوسرے روبو سے پہچاننا کبھی کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہم نے انھیں ایک ہی سانچے اور ٹھپّے میں ڈھال دیا۔

ورنہ ہر سانچہ مختلف ہوتا۔ اور لاگت زیادہ آتی۔ ہم قدرت کی طرح بے وقوف نہیں ہیں کہ۔ ہر روبو کو ہر انسان کی طرح مختلف چہرے دیتے۔

بادل بولا۔ مگر ہم نے ان کو مختلف نمبر تو دیئے"۔

"تاکہ کارخانے میں حاضری کے وقت گننے میں آسانی رہے"۔

روبو کبھی اپنے کام سے غافل نہیں رہتے۔ انھیں معلوم ہی نہیں چھٹی کیا چیز ہے۔ تفریح کیسے کہتے ہیں"۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں"۔ ڈاکٹر پاٹل بولے۔ "ہم نے اس جزیرے میں عورتوں کو ممنوع قرار دے کر سخت غلطی کی۔ عورتیں تہذیب لاتی ہیں۔ اور

شرافت کی نرمی۔ اور ہمدردی کا گداز۔ اور آنسو۔ اور معصومیت۔ وہ سب چیزیں ہم نے کھو دیں۔ روبو بناتے بناتے ہم خود روبو سے ہو گئے۔"

"دوسری طرف یہ بات بھی ہے۔" بادل بولا۔ "اگر آج زیادہ عورتیں ہوتیں تو انکا بھی وہی حشر ہوتا جو چینچل کا ہوا۔

"سیما کا سارا بدن کانپا۔ اس نے اپنا چہرہ پھر اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔

ڈاکٹر پارکنسز نے بات کا رخ بدلنے کی خاطر کہا۔" اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں"۔؟

جاوید بولا۔" کیونکہ اب اس نے دوربین اٹھالی تھی"۔ وہ اس قدر خاموش چپ چاپ جنگلے سے لگے کیوں کھڑے ہیں۔؟ لگتا ہے جیسے خاموشی نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہو"۔

بادل بولا" جانے ان کے دل میں کیا ہے۔ وہ کسی چیز کا یا کسی وقت کا یا کسی شخص یا کسی سگنل کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کچھ کرتے کیوں نہیں؟"

" ایسے نہ کہو بادل" جاوید کانپ کر بولا" وہ تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ اگر جنگلے پر زیادہ زور دیں۔ تو آہنی جنگلہ ماچس کی تیلی کی طرح ٹوٹ جائے گا۔"

"مگر ان کے پاس ہتھیار تو نہیں ہیں"۔؟ ڈاکٹر پاٹل نے اپنے دل کو تسلی دینا چاہی۔

" ہتھیار نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے" شیخ مقصود بولا۔" وہ لوگ تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ ہم لوگ پانچ منٹ سے زیادہ ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ وہ ایک بپھرے ہوئے طوفان کی طرح ہمیں ڈبوتے ہوئے ہماروں سروں کو

کچل کر گزر جائیں گے۔"

یکایک جاوید ملک کو کچھ یاد آیا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ بولا ـــ

"میرے کام کرنے کے کمرے میں ایک بجلی کی موٹر پڑی ہے۔ میں اس کی مدد سے ایک نئے قسم کا روبو تیار کر رہا تھا۔ جواب تین چوتھائی مکمل ہو چکا ہے۔ بھیم۔ رستم اور ہرکولیس کی ساری خوبیاں اس میں جمع کر دی ہیں۔ میں اس کا نام ارجن رکھنا چاہتا ہوں۔"

"جلدی بات کرو کیا کہنے چاہتے ہو۔" بادل بے چینی سے بولا۔

"اس بجلی کی موٹر کو میں یہاں لے آتا ہوں۔ اور اُس کے تار ہم ٹوٹے ہوئے تار سے جوڑ کر سارے آہنی جنگلے کو برقا دیتے ہیں۔ جونہی بجلی کی رو آہنی جنگلے پر دوڑے گی جو روبو اُسے ہات لگائے گا۔ یا چھوئے گا۔ اسی وقت بجلی کے جھٹکے سے ختم ہو جائے گا"ـــ

"تو فوراً لے آؤ ـــ بجلی کی اس موٹر کو۔"ـــ

"مگر بھاری ہے۔" جاوید بولا ـــ "میں اکیلا اسے اٹھا نہ سکوں گا۔

روبن ہائمر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔"

جب روبن ہائیمر اور جاوید چلے گئے۔ تو ڈاکٹر پارکنسن نے پھر دوربین اٹھا لی ـــ چند منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے بادل سے کہا ـــ "سری دھر روبو ل سے کچھ مشورہ کر رہا ہے ـــ مائی گاڈ"ـــ

"کیا ہوا ـــ؟"

"اس نے چھلانگ لگا کر آہنی جنگلے کو پار کر لیا ہے۔ اور اب وہ دوسرے

نمبر بو اسے اندر آنے کے لئے کہہ رہا ہے ۔" ڈاکٹر پارکنز جلدی جلدی کہنے لگا۔ "دو روبو اور اندر آ گئے ۔ پانچ اور"۔

شیخ مقصود بولا۔" اگر اس وقت جلدی سے روبن ہاٹمر اور جاوید نہیں آتے ہیں تو سمجھو ہم ختم ہیں"۔

سیما ڈرائنگ روم سے اٹھ کر دوڑی دوڑی اپنے کمرے میں گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک المناک راگنی سیما کے کمرے سے آنے لگی۔ سیما ستار بجا رہی تھی۔

"اگر سیما ستار بجا سکتی ہے"۔ شیخ مقصود بولا۔" تو سمجھو ابھی دنیا ختم نہیں ہوئی"۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے "۔ بادل بولا۔" جب سیما کے دل میں کوئی نیا خیال یا نئی ترکیب آتی ہے۔ تو وہ اپنے ذہن میں اس کی تصویر صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ستار بجانے لگتی ہے۔ سنگیت سے اس کے تخیل کو پر لگ جاتے ہیں۔ وہ ضرور اس وقت کچھ سوچ رہی ہے"۔

"دس اور روبو جنگلے کو عبور کر کے اندر آ گئے ہیں"۔ ڈاکٹر پارکنز نے دوربین سے دیکھتے ہوئے کہا۔" وہ سب فیکٹری کے اندر آ رہے ہیں"۔

بلونت سنگھ اور شیخ مقصود دونوں باری باری کہنے لگے ۔

"یہاں تک آنے میں انھیں بہت دیر لگے گی"۔

زیادہ دیر تو نہیں مگر آدھا گھنٹہ پونا گھنٹہ ضرور لگ جائے گا۔ ہم نے ادھر آنے والی سیڑھیوں کا آہنی دروازہ بند کر دیا ہے۔ اور فیکٹری کے گیٹ کو بھی بند کر دیا ہے۔ صرف بجلی گھر کی طرف ہم نہ جا سکے"۔

ڈاکٹر پاٹل نے مایوسی سے سر ہلا کر ۔" ہم چاروں طرف سے گھر چکے ہیں"۔

اتنے میں ڈاکٹر روبن ہائمر اور جاوید ملک بجلی کا موٹر لے کر آ گئے۔

"اتنی دیر کیوں کر دی ــــ؟"

جاوید ملک تار سے تار جوڑتے ہوئے بولا ــــ "میں ڈاکٹر روبن ہائمر سے نئے روبو کے دماغ کے سلسلے میں مشورہ لے رہا تھا۔ ڈاکٹر روبن ہائمر نے اسکے دماغ کو ٹھیک کر دیا ہے"۔

"ہاں۔" ڈاکٹر روبن ہائمر بولا۔ "بے حد خوبصورت وجیہہ اور پُر وقار جسم بنایا ہے جاوید نے۔ اس روبو کا۔ میں نے اسے بہترین دماغ دے کر سلا دیا ہے۔ اب وہ سات سال تک سوتا رہے گا"۔

جاوید بولا ــــ "اسے سونے دو جب تک ارجن سوتا رہے گا مہابھارت کی جنگ نہیں چھڑے گی۔ رستم سہراب کی کہانی نہیں دہرائی جائیگی۔

"ہر کولیس کو زمین کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں لینا پڑیگا۔ پرومیتھس نیند کی زنجیروں سے جکڑا روح کی بیچین اگنی نہیں چرا سکے گا"۔

"بجلی دوڑاؤ" ــــ ڈاکٹر پارکنز بولا ــــ "جلدی سے بجلی دوڑاؤ۔ اس آہنی جنگلے میں ورنہ سب روبو اندر آ جائیں گے ــــ آؤ"۔

"کیا ہوا" ــــ؟

"بجلی کی رو جنگلے میں چلنے لگی۔ اٹھارہ ہزار وولٹ کی بجلی نے روبوؤں کی پہلی صف کو جو جنگلے سے لگی کھڑی تھی جلا کے راکھ کر دیا ہے"۔

"بلونت سنگھ کہاں ہے" ــــ؟ بادل نے پوچھا

"نیچے کمرے سے حساب کتاب کا کھاتہ لانے گیا ہے"۔ شیخ مقصود نے کہا۔

"اسوقت اس کا کیا کام ہے۔ کیا تک ہے۔"

"مرتے وقت حساب کتاب کی سوجھی ہے جناب کو۔"

اتنے میں بلونت سنگھ لیجر اٹھائے ہوئے کمرے کے اندر آ گیا۔ جب اس کے سامنے اس کے ساتھیوں نے پھر وہی سوال کیا تو وہ بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ حساب کتاب ہونا چاہیئے۔ پیشتر اس کے کہ... پیشتر اس کے .... میرا مطلب ہے۔ ممکن ہے نیا سال ہماری زندگی میں نہ آئے اور حساب کتاب کبھی نہ ہو۔"

"کیا دکھائی دے رہا ہے؟" ڈاکٹر پاٹل نے ایسے اطمینان سے پوچھا جسے صرف گہری مایوسی ہی پیدا کر سکتی ہے ——

"کچھ نہیں" — ڈاکٹر پارکنسن بولا۔ "ہر طرف نیلا ہی نیلا رنگ نظر آ رہا ہے۔"

"روبو کی وردی کا رنگ۔" بادل نے ہونٹ سکوڑ لئے ——

"ڈاکٹر پارکنسن بولا:" وہ لوگ ڈاک کے بحری جہاز سے اب اسلحہ اتار رہے ہیں۔

"تو میں انھیں کیسے روک سکتا ہوں؟" — روبن ہائیمر جھلا کر بولا۔

"مائی گاڈ" — پارکنسن چلّا اٹھا — "انیتم جہاز نے اپنی توپوں کے دہانے ہمارے گھر کی طرف کر دیئے ہیں۔"

"توپوں کے دہانوں سے چند منٹ کے لئے گولے برسیں گے۔ سب ختم۔

"ختم یعنی انت" — ڈاکٹر پاٹل بولا: "انت سے انیتم —— انیتم جہاز کا خوب رکھا ہے کسی نے" ——

"معلوم ہوتا ہے روبوں میں حسِ مزاح جاگ رہی ہے۔" ڈاکٹر پارکنسن نے کہا۔

"حسِ مزاح کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" ڈاکٹر روبن ہائمر نے آہستہ سے خوفناک لہجے میں کہا۔ "اتنا ضرور جانتا ہوں کا روبوں کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔"

"یہ بات سب جانتے ہیں۔" کرسی پر بیٹھے بیٹھے پارکنز کے جسم میں ایک جھرجھری سی آئی۔ اور اس نے دوربین روبن ہائیمر کو دے دی۔ اور خود ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے بولا۔ "یورپ والوں نے بہت برا کیا جو روبوں کو لڑنا سکھا دیا۔ ورنہ ایمان کی بات ہے کہ اپنا نقلی انسان بڑے کام کا تھا۔ مگر انھوں نے نقلی انسانوں سے اصلی انسانوں کا کام لینا شروع کر دیا ۔۔۔ اور انھیں لڑنے جھگڑنے میں ماہر بنا دیا۔"

"حالانکہ ان صفات میں ہماری مکمل اجارہ داری تھی۔" شیخ مقصود نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ "انھیں سپاہی بنا دینا غلط تھا۔"

"میں کہتا ہوں انھیں روبو بنانا ہی غلط تھا۔" بلونت بولا۔

بادل بولا۔ "نہیں بلونت۔ میں آج بھی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہم نے ان کی تخلیق کرکے کوئی غلطی کی۔"

"آج بھی نہیں مانو گے۔؟" بلونت بولا۔

"آج بھی نہیں"۔۔۔ بادل غرور سے بولا۔ "آج انسانی تہذیب کا آخری دن ہو۔ لیکن آج بھی میں اپنی غلطی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔"

بلونت لیجر کے حساب کتاب میں لگ گیا۔ گنتے ہوئے بولا۔۔۔ "آٹھ کروڑ نو سو پندرہ روپئے۔۔۔"

بادل کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے روبن ہائیمر سے بولا۔ "ڈاکٹر روبن ہائیمر ہم شاید زندگی کے آخری لمحوں میں ایک دوسرے سے ہمکلام ہیں۔ شاید ہماری گفتگو کا آدھا حصہ دوسری دنیا کی طرف پہنچ رہا ہے۔ مگر میرے باپ کا خواب بُرا نہیں تھا۔ کام کی غلامی کو توڑنے کے لئے اس نے روبو کو ایجاد کیا۔ زندگی بہت سخت تھی۔ تلخ اور کام سے چور چور کر دینے والی۔ اس لئے اس نے روبو ایجاد کیا۔ ایک نقلی انسان جو اصلی انسان کی تھکن دور کر سکے۔ ایسے کڑے کاموں سے نجات دلا سکے۔

"میں جانتا ہوں تمہارے پتاجی کے دماغ میں یہی تھا!" پاٹل بولا۔ "لیکن ہم لوگ محض آدرش وادی نہ تھے۔ میں نے چالیس برس اس کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں جانتا ہوں جوں جوں ہم روبو بناتے گئے۔ منافع کا میدان وسیع ہوتا گیا۔ منافع کا بھوت ہمارے دماغ پر سوار ہوتا گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم روبو پر سوار تھے۔ روبو ہمارا غلام تھا۔ ہم منافع کے غلام ہوتے گئے۔"

"میں اپنی بات کروں گا"۔ بادل چھاتی ٹھونک کر بولا۔ "میں نے کبھی منافع کا خیال نہیں کیا۔ میں نے اپنی تخلیق کو مکمل کرنے کے لئے کام کیا۔۔۔ کام کی خاطر کام۔ تاکہ انسان کا کام غلام نہ رہے۔ کام کس لئے۔۔؟ ایک روٹی کے لئے۔۔۔ چھی! کیا انسانی تہذیب کی یہی معراج تھی۔ اسی لئے میں نے آپ سب لوگوں کے ساتھ کام کیا۔ تاکہ انسان کو روٹی کی غلامی سے نجات دلا سکوں۔ میں اس گندے معاشی نظام سے انسانیت کو اوپر اٹھانا چاہتا تھا۔ غریبی کو ہمیشہ کے لئے دور کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے انسانوں کی ایک نئی نسل کا خواب دیکھا تھا۔"۔۔

"پھر کیا ہوا" — پارکنز آہستہ سے بولا —

"میں دنیا کے انسانوں کو جنت کا نمونہ دینا چاہتا تھا۔ جس میں وہ دودھ روٹی اور کپڑا۔ گھر اور تعلیم کے تقاضوں سے لاکھوں کروڑوں روبوں کی مدد سے اوپر اٹھ کر ہر مسائل کو حل کرتے ہوئے آدمیت کی ایک نئی سطح کا پا لیتے یہ میرے باپ کا خواب تھا۔ بس اگر ایک سو سال ہمیں اور مل جاتے۔ صرف ایک سو سال۔ پھر تم دیکھتے —

"پچاس کروڑ نو لاکھ ستاون ہزار آٹھ سو دس روپیہ" بلونت لیجر سے گنتے ہوئے بولا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

پہلے کے کمرے سے ستار کی دھن اونچی ہونے لگی۔

"موسیقی بھی انسان کو اوپر اٹھاتی ہے" پارکنز بولا "ہمیں کچھ اُدھر بھی دھیان دینا چاہیئے تھا۔ روبو اور روپے کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں — جو انسان کو اونچا لے جا سکتی تھیں" —

"مثلاً" بادل نے پوچھا۔

"مثلاً موسیقی" — جاوید بولا "حسن۔ لطافت۔ نزاکت۔ محبت۔ کی ایک نگاہ۔ صبحدم کنول کی پتی۔ ہر ایک قطرہ ہیرے کی طرح چمکتا ہوا — ہم سب ان باتوں کو بھول گئے اور منافع کے نہ خانے میں جا گھسے — ورنہ دنیا بڑی خوبصورت تھی" —

"اور اب اٹھاسی لاکھ روپے" — بلونت سنگھ نے گنتے ہوئے کہا۔

"شاید جس دن یہ فیکٹری بنی تھی۔ جس دن ہم نے اپنی ذمہ داری نقلی انسان کو سونپ دی تھی۔ شاید ہم اسی دن مر گئے تھے۔" رو بن ہائیمر افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "شاید ہم اپنے بھوت ہیں جو سو سال کے سایوں کی طرح اس فیکٹری پر منڈلا رہے ہیں۔ جس پر چند منٹوں کے بعد روبوں کا اختیار ہو جانے والا ہے۔ لگتا ہے جیسے یہ سب کچھ ہو چکا۔ آج کا لمحہ ماضی میں کھو چکا ـــــ میری گردن پر ایک کاری زخم ہے جس سے خون رس رہا ہے۔ تم پارکنز، تمہاری پیٹھ میں روبو نے ایک خنجر پیوست کر دیا ہے ـــــ چند منٹ کے بعد آنے والے مستقبل کو ہم ماضی کی آنکھ سے کیوں نہ دیکھیں۔

"سات ارب اکہتر کروڑ ـــــ اور ...... اور ......" بلونت سنگھ بولا۔
"یہ قصور کس کا ہے؟"

"ہمارا نہیں ہے۔" بادل سختی سے بولا۔ "یہ روبوں کا قصور ہے۔ بغاوت انھوں نے کی ہے۔"

"ہمارا بھی قصور ہو سکتا ہے۔" شیخ مقصود بولا۔ "ہم نے منافع کی رقم بڑھانے کے لئے انھیں اتنی تعداد میں مینو فیکچر کر دیا۔ کہ وہ ساری دنیا پر پھیلتے چلے گئے ـــــ اور انسان اسی حساب سے کم ہوتے چلے گئے۔

رو بن ہائیمر دور بین سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے ابھی خیال آتا ہے شاید انسان اتنی جلدی اور یوں ختم نہیں ہو سکتا" ـــــ

یکایک جاوید اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سر جھکا کے بولا۔ "قصور میرا ہے .... سارا قصور میرا ہے۔"

"تمھارا۔؟" ڈاکٹر پاٹل حیرت سے جاوید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ میں نے نقلی انسان کے جسم میں آپ کو بتائے بغیر کئی تبدیلیاں کر دیں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو"؟ بادل گھبرا کر بولا۔

"میں نے روبو کا کریکٹر ہی بدل دیا۔ جسم میں چند تبدیلیاں اور انکی نفسیات میں چند اضافے کرنے سے ان کی شخصیت ہی بدل گئی۔"

"مگر تم نے ایسا کیا کیوں"۔ ڈاکٹر پارکنز نے پوچھا۔

"اور کس لئے کیا"؟ ڈاکٹر پاٹل نے پوچھا۔

"اور ہم لوگوں کو بتایا تک نہیں"؟ شیخ مقصود نے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ تبدیلیاں آہستہ آہستہ خاموشی اور رازداری سے کرتا رہا۔ میں نے یہ راز ہر ایک سے چھپائے رکھا۔ سوائے ایک کے۔ میں انھیں آہستہ آہستہ انسانی سطح پر لانا چاہتا تھا۔ کام کرنے کی قوت اور صلاحیت میں وہ پہلے ہی ہم سے بہتر ہو چکے تھے۔"

ڈاکٹر روبن ہائیمر نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ بولا۔ "مگر اس سے اس بغاوت کا کیا تعلق۔ جو اس وقت روبوں نے کی ہے"

"میرا خیال ہے روبوں کی بغاوت کا اس تبدیلی سے گہرا تعلق ہے۔" جاوید بولا۔ "وہ اب مشین نہیں ہے۔ انھیں اپنی برتر قوت کا احساس ہو چکا ہے۔ اور وہ ہم سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ ہم اب بھی انھیں مشین سمجھ کر ان سے ویسا برتاؤ کرتے رہیں۔ جس سے ان کے دل میں ہر انسان کے لئے نفرت پیدا ہو چلی ہے۔ میں ان نقلی انسانوں کو جنہیں ہم روبو کے بجائے ٹوبو کہنا زیادہ پسند کروں گا۔

میں نے گھنٹوں ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ اور ان کی نفرت کی منطق کو سمجھنے اور بدلنے کی کوشش بھی کی ہے — جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھ سے نفرت نہیں کرتے۔ کیونکہ میں نے انھیں مشین نہیں رہنے دیا، مگر عام طور پر انسانوں سے نفرت کرنے سے میں اُنھیں باز نہیں رکھ سکا۔ اور جب میں نے یہ نفرت دیکھ لی تو میں نے مزید روبو بنانے بند کر دئے۔ اور" —

"ٹھہرو۔" بادل نے اُسے روک کر کہا۔ "تم اقبال کرتے ہو کہ تم نے روبو میں کئی غیر قانونی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔"

"ہاں۔"

"تو تمھیں اس کا بھی اندازہ ہو گا۔ کہ ان تبدیلیوں کا اثر کیا ہو گا۔"

"امکانات کا اندازہ تھا۔ پورا اندازہ نہیں تھا۔"

"تم نے ایسا کیوں کیا جاوید۔" بادل کے لہجے میں گلہ تھا۔

"اپنی خاطر۔ محض تجربے کی خاطر۔ تجربے کا حق تو ہر سائنسداں کو ہے۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔"

یہ سیما کی آواز تھی۔ وہ اب کمرے سے باہر نکل کر خاموشی سے ڈرائنگ روم میں چلی آئی تھی — وہ لوگ اپنی بحث میں اسقدر اُلجھے ہوئے تھے۔ کہ انھوں نے سیما کی آمد کو فوری طور پر بالکل محسوس نہیں کیا۔ لیکن جب سیما نے کہا۔ "یہ سچ نہیں ہے۔" تو سب کی نگاہیں مُڑ کر سیما پر مرکوز ہو گئیں —

بادل سیما کے قریب جا کے کہنے لگا۔ "اوہ سیما — مرنا بہت مشکل ہے۔ اور تمھیں دیکھ کر زندگی کے حسن کا اندازہ ہوتا ہے — میرے قریب رہو — ان

آخری لمحوں میں" ــــ

میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہی ہوں بادل ۔" سیما نے اپنے شوہر سے کہا۔ پھر جاوید کی طرف مڑ کر بولی ــ "مگر جاوید اکیلا اس کے لئے قصوروار نہیں ہے۔"

"نہیں ہے"؟ ڈاکٹر پارکنز نے دہرایا۔

"ہاں۔" اس نے یہ تجربے اس لئے کئے کہ میں اسے اکساتی رہی۔ اب کہہ دو نا جاوید کتنے سالوں سے میں تمھیں ان تبدیلیوں کے لئے کہہ رہی تھی"؟

"نہیں" میں نے اپنی ذمہ داری پر یہ تبدیلیاں کیں۔ اور ان تبدیلیوں کے لئے کلی طور پر میں ہی ذمے دار ہوں۔"

"اس بات کا یقین نہ کرو ــ میں نے جاوید سے کہا تھا۔ وہ روبو کو ایک روح عطا کر دے۔"

"یہاں روحوں کی کوئی بات نہیں ہو رہی ہے۔" بادل بولا۔ "خود جاوید مانتا ہے کہ اس نے روبو کے جسم میں چند ــ چند نفسیاتی اور جسمانی تبدیلیاں کیں تاکہ ــ تاکہ وہ انسانوں کے کچھ قریب ہو سکیں ــ چند خفیف تبدیلیاں" ــ

"لیکن تبدیلیاں بہت اہم ثابت ہوئیں" سیما بولی۔

"کیسے" ــ؟ بادل نے پوچھا۔

"میں نے سوچا ان تبدیلیوں کے بعد ان کے انسانی ساخت اور نفسیاتی سطح اس قسم کی ہو جائیگی۔ کہ وہ ہمارے زیادہ قریب آ جائیں گے ــ اور جب قریب آ جائیں گے۔ تو ہمیں بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ اگر وہ انسان کی طرح ہو جائیں گے۔ تو ان کے لئے نفرت کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

ڈاکٹر روبن ہائیمر نے ایک تلخ ہنسی کے ساتھ کہا ۔۔۔ "یہی تمہاری غلطی تھی۔ انسان سے زیادہ کوئی نفرت نہیں کر سکتا"۔

"یوں نہ کہو ڈاکٹر ہائیمر" ۔۔۔ سیما لجاجت سے بولی ۔۔۔ "مجھے ان نقلی انسانوں اور اصلی انسانوں کے درمیان مغائرت کی یہ دیوار بہت بری لگتی تھی ۔۔ میں نے اس دیوار کو ڈھانا چاہا" ۔۔۔ اس لئے میں نے جاوید سے کہا ۔۔۔

اور جاوید نے ویسا ہی کیا۔ جیسا تم نے کہا" ۔۔۔

"ہاں ۔۔۔ کیوں میں نے اس سے کہا تھا"

جاوید بولا۔ "نہیں یہ سچ نہیں ہے۔ میں نے اپنی خاطر۔ اپنی خوشی کی خاطر یہ تجربے کئے۔ ساری ذمے داری میری ہے" ۔۔۔

"ذمے داری میری ہے۔ میں جانتی تھی۔ جاوید مجھے انکار نہ کر سکے گا"۔

"کیوں" ۔۔۔ ؟ ڈاکٹر روبن ہائیمر نے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں" ۔۔۔ بادل بولا "جاوید بہت شاکی ہے۔ پہلے دن ہی سے سیما سے محبت کرتا تھا۔ قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا" ۔۔۔

ڈاکٹر باٹل جو ان سب سائنسدانوں سے عمر تھا۔ بلکہ لگ بھگ مرحوم ڈاکٹر گلوشش کی عمر کا تھا۔ اپنے صوفے سے اٹھ کر جاوید کے پاس گیا۔ اور اس سے پوچھنے لگا۔ "جاوید کب سے تم نے یہ تجربے شروع کئے ۔؟"

"کوئی تین سال ہو گئے" ۔۔۔

ڈاکٹر روبن ہائیمر بولا۔ "اپنی لیبارٹری میں تجربے کرنا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن فیکٹری میں تجربے کرنا گناہ ہے۔ میں جانتا ہوں ڈاکٹر جاوید نے اپنی لیبارٹری میں ایک ایسی روبوٹ بنا

کی ہے جو ہو بہو سیما سے ملتی ہے۔ مگر اسمیں انسان کی سی زندگی اور روح نہیں آئی میں نے اُسے دیکھا ہے وہ ایسی لگتی ہے۔ جیسے وہ خوابوں میں چل رہی ہو اور خلاؤں میں گھوم رہی ہو۔ اسکی آنکھیں غیر ارضی ہیں۔۔۔ میں نے بھی اس کی لبارٹری میں اس کے ارجن کو دیکھا ہے۔ خوبصورت انسان کا ارفع ترین نمونہ۔ مگر وہ سو رہا ہے کوئی ایسی دوا دی ہے ڈاکٹر جاوید نے اسے۔ کہ وہ سات سال تک سوتا رہے گا۔ سات سال کے بعد کیا ہوگا۔ کون جانے۔"

"یہاں یہ فکر ہے کہ سات منٹ کے بعد کیا ہونے والا ہے۔" شیخ مقصود نے آہستہ سے کہا۔۔۔

ڈاکٹر پاٹل نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔۔۔ پھر جاوید سے پوچھا۔۔۔

"اور ایسے روبو۔۔۔ یا ٹوبو تم نے کتنے بنائے ہیں"؟

"کوئی تین سو کے قریب ہوں گے۔۔۔ یعنی ان دو کو چھوڑ کر جو میری لبارٹری میں ہیں۔ باقی سب میں نے فیکٹری میں بنائے ہیں"۔۔۔

"اس کا مطلب یہ ہوا۔" پاٹل سوچ سوچ کر بولا۔ "کہ کروڑوں کی تعداد میں ساچند سو روبو بدلے گئے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے"۔۔۔

"بلاشبہ اس تناسب سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔" ڈاکٹر روبن ٹائیمر بولا۔۔۔ "مگر مصیبت کی بات تو روبو کی تعداد ہے"۔۔۔

"کیا"۔۔۔؟ پاٹل بولا۔۔۔

"تعداد۔۔۔ پروفیسر پاٹل۔ ہم نے روبو اتنی تعداد میں دنیا بھر میں سپلائی کئے ہیں۔ کہ ان کی تعداد ہر سال انسانوں کی تعداد سے بڑھتی چلی گئی ہے۔ اسکا

نتیجہ اور کیا ہوتا۔ اگر یوں نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔"

"کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو" — بادل نے بھڑک کر پوچھا۔

ڈاکٹر پارکنز نے بادل کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "شاید آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ فیکٹری کا انتظامیہ روبوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ یہ روبوں کی مانگ ہے جو سپلائی کو ہر سال بڑھاتی رہی ہے۔"

"اور اس بڑھتی ہوئی مانگ۔ اور اُسے پورا کرنے والی سپلائی کے چکر میں انسان کو ختم ہونا ہوگا" — سیما نے نفرت اور تضحیک سے کہا۔

"کون مرنا چاہتا ہے"۔ بادل نے سیما سے پوچھا۔ ہم سب جلد سے جلد اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سوچ رہے ہیں۔"

"گیارہ ارب نوسو اکہتر روپئے۔" بلونت نے لہجہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔"

"کہو۔"

"چھوڑو بھی"۔ پارکنز بیزاری سے بولا۔ "اب کوئی ترکیب کام نہیں کرے گی"۔

"مگر ہم کوشش تو کرسکتے ہیں"۔ بلونت بولا۔ "میری ترکیب نہایت عمدہ ہے۔ مجھے اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں روبوں سے اس کے لئے بات چیت شروع کرسکتا ہوں۔"

"تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ جو چنچل اور جبیکر کا ہوا۔"

"ہوسکتا ہے"۔ بلونت بولا — "اور اگر میری ترکیب کامیاب رہی تو سب کی جان بھی بچ سکتی ہے۔"

"ایسی کون ترکیب ہے تمہاری"؟ بادل نے پوچھا۔

بلونت بولا۔" میں اُن سے کہوں گا۔ خوبصورت روبو ذہین روبو۔ آپ کے پاس سب کچھ ہے۔ طاقت ہے۔ ذہانت اور اب تمہارے پاس اسلحہ بھی ہیں مگر ایک چھوٹی سی چیز کی کمی ہے ـــ" کاغذ کے ایک پُرزے کی"ـــ

بادل خوشی سے اچھل کر کہنے لگا ـــ" میرے مرحوم باپ کے بنائے ہوئے فارمولے کی جو سیف میں بند ہے"۔

"ہاں"! بلونت بولا۔" اور میں اُن سے کہوں گا۔ روبو صاحبان اس فارمولے کے اندر آپکی تخلیق کا راز بند ہے اور اس کاغذ کے پرزے کو حاصل کئے بغیر آپ لوگ اپنی تعداد میں ایک روبو کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ اگلے تیس سال میں اس دنیا میں ایک روبو بھی زندہ نہیں رہے گا۔ ذرا سوچئے ـــ ہمیں مار کر آپ کا اپنا حشر کیا ہوگا۔ کیسا دردناک انجام رہے گا آپ کا بھی۔

اس لئے محترم روبو۔ خواتین و حضرات کیا آپ مجھے سُن رہے ہیں۔؟ اگر آپ ہماری جان بخشی کر دیں۔" بلونت کے چہرے پر اب اعتماد کی سرخی آچکی تھی۔

" اگر آپ ہماری جان بخشی دیں۔ اور ہمیں انتہم جہاز پر کسی الگ تھلگ جزیرے کی طرف صحیح وسلامت جانے دیں۔ تو ہم یہ فیکٹری۔ اس کا سارا ساز وسامان مع اس پراسرار فارمولے کے آپ کی بھینٹ کر دیں گے۔ بس یہی میری تجویز ہے۔ محترم روبوں صاحبان ہماری زندگی بخشدو۔ اپنی تخلیق کا راز دریافت کرلو"ـــ

بادل بولا ـــ" بلونت کیا تم اسے مناسب سمجھتے ہو؟"

"ہاں" بلونت بولا۔ "اگر یوں نہ ہوگا تو ہم سب کی جان جائیگی۔ اور وہ ایک دن سیف کھول کر اس راز کو دریافت کر لیں گے"۔

بادل بولا۔ "ہم اس فارمولے والے کاغذات کو پھاڑ بھی سکتے ہیں"۔

"تو ہم اپنی زندگی کی آخری اُمید سے ہات دھو بیٹھیں گے"۔ بلونت نے جواب دیا۔ "اس جزیرے پر ہم لوگ تیس چالیس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ فارمولا بیچ کر ممکن ہے ہم اپنی جان بچالیں۔ مگر کبتک؟ فارمولے پر عمل کر کے وہ لوگ اپنی تعداد بڑھاتے جائیں گے۔ اور آخر کو پھر ہماری پناہ گاہ پر حملہ کر کے ایک ہی وار میں ہم کو ختم کر دیں گے"۔

بادل بولا۔

بلونت نے ہنس کر کہا۔ "کون احمق انھیں مکمل فارمولے کے کاغذات حوالے کرے گا"۔

"بادل نے کہا۔ "میں دھوکا دہی کے خلاف ہوں"۔

"تو ٹھیک ہے۔ بعد میں اپنے جزیرے پر سلامتی سے پہونچکر انھیں باقی حصہ اس مسودے کا بھجوا دیں گے۔

حساب کتاب یہ بیٹھتا ہے کہ میں گفت وشنید کرتا ہوں روبو مان جاتے ہیں۔ ادھورا فارمولا ان کے حوالے کیا جاتا ہے ہم سب لوگ سلامتی سے جہاز پر روانہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد میں خاموشی سے اپنے کیبن میں بند ہو کر اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا ہوں اور اس وقت ۔۔۔ اُس وقت"۔۔۔

اس وقت اڈوین ہائر نے خوش ہو کر کہا۔ "اس وقت اہم جہاز کو توپوں کے دہانے اس فیکٹری کی طرف موڑ دیئے جائیں گے۔ اور چند منٹ ہی میں یہ روبو

بنانے والی دنیا کی واحد فیکٹری تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی مرحوم گھوش کا مسودہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔"

شیخ مقصود اُٹھ کر کہنے لگا۔"میں اس تجویز کے خلاف ہوں۔"

"تم روبوٹ ڈاکٹر پارکنز، تمہاری کیا رائے ہے"؟ بادل نے پوچھا۔

"بیچ دو"—

"تم ڈاکٹر روبن ہالمر۔ ؟"

"بیچ دو"—

"آپ کیا کہتے ہیں ڈاکٹر پاٹل"؟

"انسانیت کے بچاؤ کے لئے اس مسودے کو بیچنا ہی پڑے گا۔"

"کیسا خوفناک فیصلہ ہے"۔ بادل بولا۔ مسودہ دے کر ہم اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔ اور اس طرح سے انسان کو بھی صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ دوسری طرف اس بات کا ڈر ہے کہ روبو لوگ اپنے عہد پر قائم نہ رہیں اور پیشتر اس کے کہ ہم انھیں تباہ کریں وہ ہمیں تباہ کر دیں۔"

"مگر اب دوسرا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ اب ایسا ہی کرنا ہوگا"— بادل بولا۔

"مگر تم نے مجھ سے تو پوچھا ہی نہیں۔" سیما بادل سے کہنے لگی۔

بادل نے مسکرا کر سیما کی طرف دیکھا۔ کیونکہ اب اسے بلونت کی ترکیب پر یقین سا آ چلا تھا۔ وہ مسکراتے بلکہ تقریباً ہنستے ہوئے

سیما کو اپنی باہنوں میں لے کر چک پھیریاں لیتے ہوئے خوشی سے کہنے لگا۔

"حسینہ مان جائے گی۔ حسینہ مان جائے گی۔

گیارہواں باب

جب بادل بیبٹ سے مسودہ لانے اندر چلا گیا۔ تو بیبا کو مضطرب دیکھ کر معمر ڈاکٹر پاٹل نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا ــــ "گھبراؤ نہیں بیٹا سب ٹھیک ہو جائے گا۔

"سمجھوتے کی بات چیت کون شروع کرے گا۔؟" ڈاکٹر پارکنز نے پوچھا۔

شیخ مقصود نے کہا ــــ "وہ سلسلہ میں شروع کروں گا۔ روبوں کی ذہنیت کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر پارکنز نے بندرگاہ کی طرف کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا ــــ

"خدا کرے کسی طرح اِن روبوں سے نجات مل جائے۔ تاکہ ہم اصلی انسانی زندگی کو باقی رکھ سکیں۔ چاہے دور دراز کے کسی ایک جزیرے پر سہی۔ مگر ہم وہاں رہ کر پھر سے زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ تہ خانے کی بند گھٹی ہوئی زندگی نہیں بلکہ دھوپ۔ بارش۔ ہوا۔ سبزہ۔ بادل۔ آسمان۔ اور پیروں میں آنے والے سنگ ریزوں کو محسوس کرتے ہوئے ساحل پر کھلی فضا میں دوڑنے والی زندگی۔ اُس زندگی کے لئے میں کیا نہیں دے سکتا ــــ؟"

سیما کے گلے سے ایک سسکی سی نکلی — بولی۔ "ایسی باتیں اب مت کرو بہت دیر ہو چکی ہے۔"

روبن ہائیمر بولا — "نہیں مادام۔ زندگی شروع کرنے کے لئے کبھی دیر نہیں ہوتی۔ بس وہ لوگ مان جائیں۔ ہمیں انیتم جہاز پر جانے دیں۔ پھر سب ٹھیک ہو جائیگا میں خود اس جزیرے میں تمھارے لئے اپنے ہاتھوں سے ایک چوبی بنگلہ بناؤں گا جس میں تم ایک ملکہ کی طرح رہ سکو گی۔

"چپ ہو جاؤ ہائیمر" سیما سسکتے ہوئے بولی۔ اب تم اپنے خوابوں کو یاد مت کرو۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔"

پاٹل بولا — "میرے لئے یوں بھی وقت کم رہ گیا ہے۔ مگر میں ان وحشی روبوٹ کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا۔ جن کی تخلیق ہم نے خود کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ اونچی سطح کی زندگی نیچی سطح کی زندگی سے ہار گئی۔ تمام مادے نے زندگی کے پیچیدہ عمل پر فتح پائی — دل نہیں مانتا۔"

"اور یہ چھوٹا سا جزیرہ۔" روبن ہائیمر پھر دھیرے دھیرے وہی خواب دیکھنے لگا۔ وہ چھوٹا سا جزیرہ ہماری زندگی کے مستقبل کی زندگی کا مرکز ہوگا۔ ایک ایسی پناہ گاہ جہاں سے ہم چند سو سال کے بعد پھر سے اس دنیا کو فتح کر سکیں گے"

ڈاکٹر بارہ کنتر بولا — "اس خطرناک مرحلے پر پہونچ کر بھی تمھیں اس مستقبل کا یقین ہے۔"

"ہاں" روبن ہائیمر نے مضبوطی سے سر ہلا کر کہا۔" اگر یہ روبوٹ ہمیں جانے دیں — اور میرا خیال ہے۔ کہ وہ مان جائیں گے۔ اس مسودے کے بغیر ان کی بقا

بھی خطرے میں ہوگی۔

ڈاکٹر پارکنز کے چہرے پر بشاشت اور اُمید کی لہریں دوڑنے لگیں۔ بولا —

"لگتا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

یکایک بادل تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ دہشت آمیز لہجے میں جس سے گہری مایوسی ٹپکتی تھی بولا "مگر اس سیف میں مسودے کے کاغذات نہیں ملے۔ مسودہ غائب ہے—؟"

"کیسے ہو سکتا ہے۔" روبن ہائیمر اور پاٹل دونوں یک لخت بول پڑے۔ "اسی مضبوط سیف میں ہمیشہ رہتا تھا۔ ہمیشہ وہیں واپس رکھ دیا جاتا تھا۔ کل خود میں نے اُسے دیکھا تھا تمہارے ساتھ . . . . . یاد ہے—؟"

بادل نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ضرور ان کمبخت روبوں نے اُسے چُرا لیا ہے مجھے تو یہ سری دھر کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں۔" سیما ہولناک لہجے میں کہنے لگی۔ "اُسے میں نے سیف سے نکال لیا تھا۔"

"تم نے—؟" بادل حیرت زدہ ہو کے پوچھنے لگا۔

"ہاں۔ میں نے اُسے چُرا لیا تھا۔"

"تم نے کیا کیا اس کا—؟" پاٹل گھبرا کر بولا۔ "کہاں رکھا ہے اُسے"؟

"آج صبح میں نے اسے نکال کے اس فارمولے کی دونوں نقلیں۔ ایک اصل جو مرحوم ڈاکٹر گھوش کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ دوسرا جو اسکی نقل تھا۔ ان دونوں مسودوں کو میں نے بجلی کے آتشدان میں جلا دیا۔"

"جلا دیا—؟ ہاں—؟" بادل مایوسی سے چلا اٹھا۔ اور آتشدان کی طرف

بھاگا۔ ڈاکٹر پارکنز اور روبن ہائمر بھی اس طرف تیز تیز قدموں سے گئے۔

بادل نے جلا ہوا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ اور اسے پڑھنے لگا۔

جلے ہوئے کاغذ پر لکھا تھا ــــ

"وائیوجن کو جلانے سے . . . .

کاغذ کا جلا ہوا پرزہ بادل کے ہاتھ میں راکھ راکھ ہو گیا۔ بادل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"وہی ہے کیا ــ؟" شیخ مقصود نے آہستہ سے پوچھا ــ

بادل نے سر جھکا کر کہا ــ "ہاں"ــ

"او خدا" پارکنز کا سارا جسم کانپنے لگا۔

"مجھے معاف کر دو" سیما بادل کے پاؤں پر گر گئی۔

بادل بولا ــ "اب سب ختم ہے۔ اس جلے ہوئے مسودے کے ساتھ انسان کی آخری امید بھی جل گئی۔"

"مجھے معاف کر دو۔" سیما روتے ہوئے بولی ــ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں"ــ

"اٹھو سیما" ــ بادل بولا۔ پھر جھک کر آہستہ سے سیما کو اپنے قدموں سے اٹھانے لگا۔ اور ڈاکٹر پاٹل سے بولا ــ "کیا آپ کو وہ فارمولا زبانی یاد ہے؟"

"ناممکن۔" ڈاکٹر پاٹل بولا ــ "وہ تو مسودے پر لکھا ہوا تھا۔ نت نئے تجربے ہوتے رہتے تھے۔ جب بھی ہر روز اس مسودے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس قدر پیچیدہ ترکیب ہے۔"

"کچھ حصے تو مجھے یاد ہیں" جاوید ملک کہنے لگا۔ "مگر پورے فارمولے کو پھر سے ازبر کرنے کے لئے کئی تجربے پھر سے کرنے پڑیں گے۔ جن پر کئی برس ضائع ہوں گے۔

"یہاں برس کی مہلت کس کے پاس ہے۔ چند منٹ باقی ہیں"

"ناممکن۔ ناممکن!!" ڈاکٹر روبن ہائیمر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں اپنے کام کو تو شاید کسی نہ کسی طرح دہرا سکوں۔ مگر۔ باقی ماندہ کام کون کرے گا"؟

"مگر باقی کام۔؟" بادل نے پوچھا۔

"تم خود سمجھ سکتے ہو" جاوید ملک نے بادل سے کہا۔ "کئی سال کے تجربے درکار ہوں گے"۔

"اور ان تجربوں کے بغیر تمام فارمولے کی مختلف پیچیدہ کڑیوں کو جوڑنا ناممکن ہوگا"۔ ڈاکٹر پارکنز نے سر ہلا کے کہا۔ "سب چوپٹ ہو گیا"۔

شیخ مقصود نے آتشدان سے ایک مٹھی راکھ اٹھا کر کہا۔ "تو انسانی ذہن کی ہزاروں برس کی معراج یہی تھی کیا۔؟ ایک مٹھی راکھ"۔

"میں نے کیا کر دیا" سیمابات ملتے ہوئے بولی۔

"تم نے اسے جلا کیوں دیا۔؟" بادل نے پوچھا۔

"میں نے تم سب کو تباہ کر دیا" سیمابات ملتے ہوئے کہتی گئی۔

بادل کے لہجے میں کسی قدر تلخی آ گئی۔ "مگر ڈارلنگ... تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں چاہتی تھی۔ کہ ہم سب لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ میں اس تہ خانے۔ اس مٹی۔ اس فیکٹری کو ایکدم ختم کر دینا چاہتی تھی۔ تاکہ ہمارے لئے یہاں سے جانے کے سوا اور کوئی راستہ نہ رہ جائے"۔

"مگر آخر کیوں بیٹا"۔ ڈاکٹر پاٹل بولے ـــ "ایسا تم نے کیوں کیا"۔؟

"بچے پیدا نہیں ہو رہے تھے۔ انسان نے اپنے ہات سے کام کرنا بند کر دیا تھا ـــ وہ خود اپنے خاتمے کو قریب لا رہا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا ـــــــ میں نے سوچا" ـــــــ

"ایک طرح سے تم نے ٹھیک ہی سوچا" ـــ روبن ہائیمر بولا۔

شیخ مقصود نے کہا ـــ "بالکل پتے کی بات کہی ہے۔ سیما نے ـــ گو اسکا طریق کار غلط تھا ـــ میرے خیال میں ـــ میرے خیال میں بس ایک طریقہ رہ گیا ہے"۔

سب خاموشی سے شیخ مقصود کا منہ دیکھنے لگے۔

"ٹاور" ـــ شیخ مقصود نے سب کی طرف دیکھ کر کہا ـــ

"ٹاور کیا" ـــ ؟

"بادل اور سیما ٹاور میں چلے جائیں گے"۔

"وہاں جا کر وہ کب تک محفوظ رہیں گے"۔

"میں حفاظت کی بات نہیں کرتا ہوں"۔ زندگی کو پھر سے شروع کرنے کی بات کرتا ہوں"۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو ـــ ؟ روبن ہائیمر بولا۔" یہ دونوں اس وقت ٹاور میں جا کر کتنے گھنٹے زندہ رہیں گے"۔

اس سمے ہم سب پاگل ہو گئے ہیں۔ ہر شخص اپنی زندگی بچانے کی سوچ رہا ہے۔ کوئی انسانیت بچانے کی نہیں سوچتا۔" شیخ مقصود کے لہجے میں شکایت تھی"۔ ـــ میں ٹاور میں ان دونوں میاں بیوی کو اس لئے بھیجنا چاہتا ہوں کہ ٹاور کی چھت پر

ایک ہیلی کاپٹر ہے۔ جو ان دونوں کو یہاں سے اڑا لے جا سکتا ہے۔"

"اور وہ دو انسان کون ہونگے۔؟" روبن ہائیمر نے پوچھا۔

"سوال یہ نہیں ہے۔" شیخ مقصود بولا "کہ وہ دو انسان کون ہونگے۔ بلکہ کون سے ہونے چاہیئے۔ اگر سیما اور بادل اس ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر یہاں سے کسی طرح پرواز کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں انسانی نسل پھر سے شروع ہو سکتی ہے۔ کسی ایک نئے مقام پر۔ کسی ایک جزیرے پر۔"

"مگر میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گا۔" بادل نے سختی سے کہا۔

"نہ میں جاؤں گی۔"

"اسوقت جذبات سے کام نہ لو بادل۔" ڈاکٹر روبن ہائیمر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"مجھے شیخ مقصود کی ترکیب پسند آئی ہے۔ ورنہ ہم سب کا خاتمہ یقینی ہے۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے ہم تم دونوں کو انسانی نسل کو پھر سے شروع کرنے کا مقدس کام سونپتے ہیں۔"

"تمھیں جانا ہوگا۔" ڈاکٹر پارکنز بولا۔

"بلاشبہ تم دونوں کو جانا ہوگا۔" ڈاکٹر جاوید ملک نے اٹھ کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔" بادل بولا۔ "میں اپنے حلیفوں سے اپنے ساتھیوں سے غداری نہیں کروں گا۔"

"اگر نہیں جاؤ گے۔" شیخ مقصود نے چلا کر کہا۔ "تو انسانیت سے غداری کرو گے۔"

"تمھیں جانا ہو گا۔ اور ابھی"۔ بلونت سنگھ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "ورنہ ہم تم دونوں کو دھکیل کر ٹاور تک پہنچا کے اسے باہر سے بند کر دیں گے"۔

ڈاکٹر پاٹل نے کہا۔ "یہ ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے"۔

"انسانیت کی بقا کے لئے۔ مان جاؤ۔ بادل"۔

بادل کا سر جھک گیا۔

"آؤ سیما۔" اس نے سیما کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔

سیما کا سر بھی جھک گیا۔ وہ کسی سے آنکھ نہ ملا سکی۔

سر جھکا کے بادل اور سیما اندر کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے گئے۔ جو ٹاور کو اوپر کی طرف جاتی تھیں۔

ڈاکٹر روبن ہائیمر۔ ڈاکٹر جاوید ملک۔ ڈاکٹر پارکنز۔ شیخ منصور۔ ڈاکٹر پاٹل اور بلونت سنگھ انھیں خاموشی سے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

اوپر جانے کے لیے بادل نے ٹاور کا آہنی دروازہ کھولا۔ یکایک وہ اور سیما دونوں کی نگاہیں پلٹ کر اپنے ساتھیوں پر پڑیں۔

سب مسکرا کر اور ہاتھ ہلا کر انھیں الوداع کہہ رہے تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

"کچھ یاد ہے۔" بادل بولا۔ "ان ہی سیڑھیوں پر ہماری محبت کا پہلا لمحہ شروع ہوا تھا۔

سیما کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہ سیڑھیاں چڑھتی جاتی تھی۔ اور آنسو پونچھتی جاتی تھی۔

بادل اپنے دل کو سمجھانے لگا۔ اور سیما کو بھی۔ فیصلہ مشکل تھا۔ مگر صحیح بھی تھا۔ سیما پھر بھی چپ رہی ــــ بہت دیر کے بعد آہستہ سے بولی ــــ

"میں بس یہی سوچتی ہوں۔ اگر میں نے وہ مسودہ نہ جلادیا ہوتا تو ممکن ہے روبوں کے ساتھ سمجھوتہ ہو جاتا۔ ــ وہ لوگ ہمیں آسانی سے انتم جہاد پر جانے دیتے۔ میں ــ میں ــ اپنے ساتھیوں کی قاتل ہوں"ــ

"نہیں نہیں تم اپنے طور پر ٹھیک سوچ رہی تھیں۔ بدقسمتی سے مسودہ جلنے اور روبوں کی بغاوت کرنے کا ایک ہی دن نکل آیا۔ اسی سے سب گڑبڑ ہو گئی"۔

بادل اُسے سنبھالتے ہوئے بولا ــ "کیا تم ساری سیڑھیاں چڑھ سکو گی ـــ؟"

"کوشش تو کروں گی ــ لیکن"ــــ

"لیکن اگر نہ چڑھ سکیں تو"ـــ؟

"تو تمہارے بازو تو ہیں"۔ سیما نے آنسوؤں کے درمیان مسکرا کر کہا۔

بادل نے ایک لمحے کے لئے سیما کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ مگر سیما اس سے منھ پھیر کے بولی "جلدی اوپر چلو وقت بہت کم ہے"۔

بادل سیما کو لے کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

پچیس تیس سیڑھیاں چڑھ کر سیما ہانپنے لگی۔ رُک گئی۔ بولی ــــ

"ٹھہر جاؤ"۔

"ٹھہرنے کے لئے وقت نہیں ہے"۔

"مجھ سے چلا نہیں جاتا"ــــ

"کوشش کرو"ــــ

"نہیں چلا جاتا"۔

بادل نے سیما کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ اور اپنی روح کی پوری قوت سے اُسی تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

بیس اور سیڑھیاں اوپر چڑھ کے وہ بھی ہانپنے لگا۔

"آؤ چند لمحوں کے لئے سستا لیں"۔

وہ دونوں سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ اور دونوں اوپر جاتی ہوئی پُرپیچ سیڑھیوں کو دیکھنے لگے ــــ

سیما نے ٹاور کے اُوپر کے دروازے تک کی سیڑھیاں گنتے ہوئے کسی قدر نااُمیدی سے کہا ـــ "ابھی پچاس سیڑھیاں باقی ہیں"ـــ

بارھواں باب

ڈاکٹر پارکنز مغربی کھڑکی پر دوربین جمائے کھڑا تھا۔۔۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز دیکھنے کے لئے۔

یکایک بلونت سنگھ چلّا اٹھا۔۔۔ "سات ارب۔ دس کروڑ تیس لاکھ، نو ہزار۔ آٹھ سو چھہتر روپے"۔۔۔

"ابھی تک ڈکیتی کا منافع گن رہے ہو۔"

بلونت سنگھ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ایک رقم ہوتی ہے۔ ایک بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں وہ اس سے آدھے پر فیصلہ کر لیں گے"۔۔۔

"کیا۔۔۔؟" ڈاکٹر پائن نے پوچھا۔۔۔

"میں جاتا ہوں"۔

بلونت سنگھ نوٹوں کی گڈیاں سجانے لگا۔ ایک بکسے میں بند کرنے لگا۔

"پاگل ہوئے ہو"۔۔۔ ڈاکٹر پارکنز بولا۔۔۔ "روبوٹ پیسے کی پروا نہیں کرتے۔۔۔ انھوں نے آج تک کبھی روپیہ نہیں دیکھا۔ کبھی تنخواہ نہیں لی"۔۔۔

"رکو بلونت"۔۔۔ جاوید بولا۔۔۔ "مت جاؤ"۔۔۔

"مجھے جانے دو ـــ" بلونت جاوید کے ہات جھٹک کر بولا۔ اس سے چوتھائی رقم پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ہم سب کی جان بچ سکتی ہے"

"ہیلی کاپٹر اب تک نہیں اُڑا"۔ ڈاکٹر پارکنز بولا ـــ

روبن ہائیمر بیزاری سے چلایا "وہ ابھی تک ٹاور کے اندر بھی نہ پہونچے ہوں گے"۔

ڈاکٹر پاٹل نے دوسری کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا ـــ

"جانے یہ روبو لوگ کس کا انتظار کر رہے ہیں۔ جنگلے سے ہٹ کر پرے کے پرے باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ جیسے پتھر کے بت۔ کوئی ہلتا نہیں۔ کوئی بات نہیں کرتا۔ کوئی نعرے نہیں لگاتا" ـــ

"وہ سب سے آگے کون کھڑا ہے"۔؟

"وہی جس کی جان بخشی سیما نے کی تھی۔"

"سری دھر"؟

"وہی" ـــ شیخ مقصود انگلی سے اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "آج صبح اس کو میں نے بندر گاہ پر روبو جہازیوں سے بات کرتے دیکھا تھا ـــ

"ڈاکٹر روبن ہائیمر اندر ایک کمرے میں گیا ـــ چند منٹ کے بعد ایک رائفل اٹھائے ہوئے واپس آیا۔ اور ڈاکٹر پاٹل والی کھڑکی میں جا کر بولا ـــ "کہاں ہے وہ باغی؟"

ڈاکٹر پاٹل اشارہ کرتے ہوئے بولا ـــ "وہ رہا" ـــ

روبن ہائیمر نشانہ باندھنے لگا۔ ڈاکٹر پارکنز نے روبن ہائیمر کا ہات پکڑ کر

جلدی سے کہا۔ "اسے مت مارو۔ میں دوربین سے دیکھ رہا ہوں۔ بلونت سنگھ دوڑتا ہوا اسی دھر کی سمت جا رہا ہے۔ اسے مت مارو دیکھو کیا بات چیت ہوتی ہے"۔

ڈاکٹر روبن ہائیمر نے رائفل نیچی کر لی۔

ایک لمبی سانس لے کر بادل نے ٹاور کے اندر پہنچکر ایک خوبصورت گھڑی کی طرح سیما کو ایک پھولوں سے لدے گملے کے پاس لیجا کر چھوڑ دیا۔

ہلکے ہرے کانچ کی بند کھڑکیوں سے آسمان دکھائی دیتا تھا۔ اور سمندر میں کھڑا اٹم جہاز۔ جس کی توپوں کے دہانے لیبٹری کی طرف مڑے ہوئے تھے۔

"کچھ یاد ہے"۔ سیما سب بھول گئی۔ اس کی نگاہوں میں محبت کا پہلا دن تھا۔ محبت کا پہلا بوسہ۔ اور محبت کا پہلا پھول۔

بادل نے مسکرا کر گملے سے ایک بڑا پیلے رنگ کا گلاب توڑ کر سیما کے بالوں میں لگا دیا۔ پھر جھک کے اس نے آہستہ سے سیما کے ہونٹ چوم لئے۔

سیما بولی۔ "ہیلی کاپٹر پر بیٹھ کر ہم کہاں جائیں گے"۔؟

"کسی غیر آباد جزیرے کو تلاش کریں گے"۔

"پھر۔؟"

"پھر تم بتاؤ"۔

"تم میرے لئے ایک چوبی کاٹیج بناؤ گے"۔ سیما بولی۔

"ہمارا گھر"۔

پہلا انسانی گھر"۔ بادل نے کہا۔

"اور میں تمھیں بچے دونگی ۔۔۔ ایک درجن بچے دونگی۔" سیما نے فخریہ کہا۔

"ہاں اُس جزیرے میں ہم اپنے گناہوں کی تلافی کریں گے۔"

"اور انسان کا مستقبل پھر سے شروع ہوگا۔"

بادل نے دیوار کے ایک کونے میں جاکر ایک سوئچ کو دبایا ۔۔۔ دھیرے دھیرے ٹاور کی کانچ کی چھت کے پٹ کھلنے لگے ۔۔۔ اور پھر ایک زینہ دھیرے دھیرے نیچے اترنے لگا۔

جب زینہ ٹاور کے فرش سے لگ گیا تو بادل نے سیما کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آؤ اُوپر چلیں۔ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو جائیں۔"

روبن ہائیم نے ڈاکٹر پارکنز سے کہا ۔۔۔ "آپ لوگوں نے بیکار ہیں مجھے روک دیا۔ میں مسٹر ودھر جو بغاوت کا سرغنہ ہے اُس کی جان تو لے لیتا ۔۔۔ آپ نے مجھے روک دیا کیا یہ سمجھ کر کہ وہ بھی کبھی انسان کا شکر گزار ہو سکتا ہے"۔۔۔

"تمھیں اس لیے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت مسٹر ودھر سے مقابلہ کرنے گیا ہے"۔ ڈاکٹر پاٹل بولے۔

"وہ بکسے میں نوٹ بھر کے لے گیا ہے"۔ شیخ مقصود بولے ۔۔۔ "بکسا اسکی بغل میں ہے"۔۔۔

ڈاکٹر پارکنز دوربین سے دیکھتا ہوا بولا ۔۔۔ "وہ بھاری بکسا اٹھائے ہوئے اس وقت مسٹر ودھر کے پاس پہونچ چکا ہے ۔۔۔ اور بکسا کھول کر اسے نوٹ دکھا رہا ہے ۔۔۔ جو کئی کروڑ کی مالیت کے ہوں گے"۔۔۔

"کیا اس ترکیب سے وہ اپنی جان بچالے گا" ۔۔۔؟

شیخ مقصود نے احتجاج کیا۔ "بلونت اس طرح کا انسان نہیں ہے کہ صرف اپنی جان بچالے"۔ یا تو وہ بھاؤ تاؤ کرکے سب کی جان بچالے گا ورنہ واپس چلا آئے گا۔"

"سری دھر انکار میں سر ہلا رہا ہے"۔

"بلونت نوٹوں کی گڈیاں اٹھا کر دکھا رہا ہے"۔

"سری دھر پلٹ کر اپنے روبوں ساتھیوں سے کچھ کہہ رہا ہے"۔ ڈاکٹر پارکنز کی کامنٹری چل رہی تھی۔

"یہ لو وہ سب کے سب آہنی جنگلے پر پل پڑے۔ بجلی کے کرنٹ نے سینکڑوں کو بھون کر رکھ دیا ہے۔ مگر وہ آہنی جنگلہ روبوں کی یلغار سے ایک سوکھی لکڑی کی طرح چیخ کر ٹوٹ گیا ہے۔ روبو ہزاروں کی تعداد میں اندر آرہے ہیں۔ اپنے روبوں ساتھیوں کی لاشوں کو روندتے ہوئے۔ بلونت ان میں گھر گیا ہے۔ میں دیکھ نہیں سکتا اب کیا ہو رہا ہے۔

اتنے روبو بلونت کے گرد جمع ہیں۔ وہ سب بلونت کو چھوڑ کر بجلی گھر کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ بلونت مردہ پڑا ہے۔ اس کی لاش کچل دی گئی ہے۔ پاؤں سے روند ڈالی گئی ہے۔ کھلے بکسے سے ہزاروں نوٹ خزاں کے پتوں کی طرح ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔ انسان کا آخری منافع!!

"یہ شور سنتے ہو؟" ڈونِن ہائیمر نے پارکنز سے کہا۔

"ہاں"۔ دوربین ہٹا کر پارکنز نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "جیسے طوفان آرہا ہو"۔

شیخ مقصود نے اِدھر اُدھر کمرے کے روشن قمقموں کو دیکھ کر کہا۔۔۔
"بجلی گھر پر ابھی تک ہمارا قبضہ ہے ۔ ہمارے کمرے کی بتیاں روشن ہیں"۔
یکایک جاوید کو کچھ یاد آیا۔" مجھے ارجن کو ایک انجکشن دینا ہوگا۔۔۔
"کیا اب بھی تم اپنا تجربہ نہیں بھولے ہو"۔۔۔؟ روبن ہائیمر نے طنزاً کہا۔
جاوید نے کہا۔۔۔" انسان ختم ہو جائے۔ مگر سائنس ختم نہیں ہو گی"۔
جاوید نے ذرا رک کر کہا۔۔۔ پھر آہستہ سے بولا۔۔۔" میں ابھی آتا ہوں"۔۔۔
ڈاکٹر پاٹل نے کہا۔۔۔" انسان کے بغیر سائنس بھی بیکار ہے"۔۔۔
شیخ مقصود بولا۔۔۔" انسان عظیم تھا جب تک وہ اس صفحہ ہستی پر رہا۔
عظیم ہی رہا۔۔۔" شیخ مقصود نے اپنے قریب کے ٹیبل لیمپ کو روشن کر دیا۔
جس پر ہرے رنگ کا شیڈ تھا۔۔۔ سب اس ہرے رنگ کے شیڈ سے چھن کر
آتی ہوئی روشنی کو دیکھنے لگے۔۔۔

"یہ روشنی ہماری آخری اُمید ہے"۔۔۔ روبن ہائیمر بولا۔۔۔
"ہماری آخری اُمید"۔۔۔ ڈاکٹر پارکنز نے کہا۔۔۔
"ہماری قوت"۔۔۔ ڈاکٹر پاٹل بولا۔۔۔
شیخ مقصود نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔" یہ روشنی جو انسان نے پیدا کی ہے۔
اور جسے وہ نسل بہ نسل اپنے بچّوں کو دیتا آیا ہے۔ عہد در عہد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ روشنی"۔
یکایک ٹیبل لیمپ بجھ گیا۔۔۔
"اے خدا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" پارکنز مغربی کھڑکی میں کھڑا دیکھنے لگا۔
"کیا ہوا"۔۔۔؟ شیخ مقصود نے پوچھا۔

"بجلی گھر پر روبوں کا قبضہ ہو گیا۔ کمرے کی ساری بتیاں بجھ گئی ہیں۔ روبو ہماری طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ انکا ہر قدم ہماری موت کی طرف ہے۔" روبن ہائیمر نے رائفل ٹھیک کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ "سامان کو دروازے پر رکھ کر بیری کیڈ بنا دو۔ جلدی کرو ۔۔۔ انسان کی جد و جہد موت کے وقت بھی جاری رہے گی۔"

"اے خدا!" ..... پارکنسن نے پھر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا ۔۔۔؟" ڈاکٹر پاٹل نے بے چینی سے پوچھا۔

"اے خدا انھیں سلامت رکھ۔" پارکنسن دھیمے لہجے میں بولا۔ "ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کر رہا ہے۔ میں میما اور بادل کو دیکھ رہا ہوں" ۔۔۔

یکایک شیخ مقصود فرش پر دو زانو ہو کر دعا مانگنے لگا۔

"ذرا دوربین مجھے تو دینا" ۔۔۔ روبن ہائیمر کی آواز میں مسرت تھی۔ "اگر میما اور بادل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تو ہماری موت بھی انسان کی جیت میں بدل سکتی ہے۔ ہیلی کاپٹر اونچا ہو رہا ہے ۔۔۔ اونچا ہو رہا ہے ۔۔۔ وہ اس وقت ایٹم جہاز کے اوپر منڈلا رہا ہے ۔ میرے خدا!"

روبن ہائیمر یکایک رک گیا ۔۔۔

"کیا ہوا ۔۔۔؟"

روبن ہائیمر چپ ہو گیا ۔۔۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا ۔۔۔

پھر ایک ساتھ گہری گھن گرج۔ جیسے ایک ساتھ بہت سی توپیں چل گئی ہوں۔

روبن ہابیٹر کے ہاتھ سے دوربین چھوٹ کر نیچے گر پڑی ۔۔۔
اینٹی ایر کرافٹ گن نے ہیلی کاپٹر کے پرخچے اڑا دئے ہیں ۔۔۔ اس کے ٹکڑے سمندر میں گر رہے ہیں"۔۔۔
روبن ہابیٹر نے آنکھیں بند کر لیں۔
اس کے سب ساتھیوں کے سر جھک گئے ۔۔۔

تیرھواں باب

سات سال گزر گئے۔

زمین پر اور چاند پر انسانی نسل نیست و نابود ہو گئی تھی۔ انسانوں کی شکست میں چاند نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ کیونکہ چاند پر بنے خلائی اسٹیشن نے سب پر انسانوں سے نفرت روبوٹ تعینات کر رکھے تھے۔ جنہوں نے روبوٹوں کی بین الاقوامی لیگ کے ایک اشارے پر چاند سے ایسی بمباری کی کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے شہر ملیا میٹ کر دئے۔ پھر زمین پر جتنے روبوٹ بھی کام کر رہے تھے انہوں نے چن چن کر کرۂ ارض کے ہر خطے سے انسانوں کو مار ڈالا۔

اب زمین پر انسان کا کہیں وجود نہ تھا۔ جزیرہ رشیان کی روبوٹ لیبارٹری ویران پڑی تھی۔ سوائے ڈاکٹر جاوید کی لیبارٹری کے۔ پروفیسر جاوید ملک کو روبوٹ لیڈر کے کہنے پر زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ لیبارٹری میں کسی نہ کسی طرح سے پھر سے روبوٹ بنانے کا فارمولا جس کے کچھ حصوں سے وہ واقف تھا۔ اسے مکمل کر سکے۔ اس کے لئے پروفیسر جاوید ملک کی جان بخشی کی گئی تھی۔ اور وہ سات سال سے اپنے تجربوں میں مصروف تھا۔ مگر ابھی تک روبوٹ بنانے میں ناکام رہا تھا۔

روبو میں چند نفسیاتی اور جسمانی تبدیلیاں کر کے اس نے جو ڈولڈ کی سیما نام کی بنائی تھی۔ وہ اکثر تک اپنے خوابوں میں گم تھی۔ یوں جاوید کے کہنے پر وہ سب کام کرتی تھی۔ مگر جیسے اس کا دل ان کاموں میں نہ ہو۔ یوں وہ دو وقت کھانا پکاتی تھی۔ کیونکہ وہ بھی ڈولڈ تھی جیسے ڈاکٹر جاوید ملک نے معدہ بھی لگا دیا تھا۔ مگر لیتی کم تھی جیسے اُسے بھوک نہ ہو۔۔ اسے اس دنیا کے کسی کام میں دلچسپی نہ تھی۔ جاوید ملک نے اُسے عورت کی جنس بھی عطا کر دی تھی۔ مگر وہ اپنی جنس کی طرف سے مکمل طور پر بے پروا تھی۔

ڈولڈ کی [illegible] تجرباتی خامیوں کو دیکھتے [illegible] جاوید نے اپنے مزید تجربے جاری [illegible] ارجن نام کا ایک [illegible] بنایا تھا [illegible] کا بنیادی ڈھانچہ [illegible] تیار [illegible] ایک خوبصورت [illegible] جاگی نہیں ۔۔۔۔

مگر ارجن سات سال سے سو رہا تھا۔ جاوید پچھلے دو سال سے اسے جگانے کے لیے انجکشن دے رہا تھا۔ مگر ارجن کسی طرح جگایا نہ جا سکا۔ اس کے سانس کی آمد و رفت جاری تھی۔۔ اس کا دل بھی دھڑکتا تھا۔۔ مگر گزشتہ سات سال سے وہ سو رہا تھا۔

جاوید نے اپنے بیڈ روم سے ملحق ایک کمرے میں اُسے ایک آراستہ بستر پر لٹا رکھا تھا۔ اور یہاں پر وہ مختلف طریقوں سے اسے جگانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ مگر ہر بار ناکام رہتا تھا۔۔ وہ ہمیشہ ارجن کو تالے میں رکھتا تھا۔ اور کسی روبو یا ڈولڈ کی کو جس کا نام اس نے مرحومہ سیما کی یاد میں سیما ہی رکھا تھا۔ اسے بھی معلوم

نہ تھا۔ کہ اس کمرے میں کیا ہے۔ جس پر ہر وقت تالہ پڑا رہتا ہے۔ دوسرے روبو یہ سوچتے تھے کہ اس کمرے میں جاوید کوئی خاص تجربے کر رہا ہے روبو بنانے کے لئے ـــــ

لیکن روبو کا بنیادی ڈھانچہ ان سات سالوں میں جاوید تیار نہ کر سکا۔ روبو کو لے کر وہ اس میں مناسب تبدیلیاں کر سکتا تھا۔ مگر روبوں کی تخلیق کر سکا تھا۔

اس دوران میں روبو دھڑا دھڑ مر رہے تھے۔ اور نئے روبو فیکٹری سے وجود میں نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے کرۂ ارض پر روبو کی آبادی ہر روز کم ہوتی جا رہی تھی ـــــ

انسان کا وجود ختم ہو چکا تھا ـــــ اور اب روبو کا وجود بھی کرۂ ارض سے مٹنے والا تھا ـــــ

جاوید یہی سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر روبو بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ تو ہماری زمین مکمل ویرانہ بن جائے گی ـــــ

چودھواں باب

جاوید اپنی لیبارٹری میں سائنس کی ایک کتاب کھولے کھڑکی سے باہر دیکھنے اور دیکھنے سے زیادہ سوچنے میں مصروف تھا۔ اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہا تھا۔

"اے خدا۔ کیا میں کچھ معلوم نہ کر سکوں گا۔ مرحوم گھوش۔ پاٹل، روبن [illegible] اور پارکنز کو فارمولا نہیں پتہ اتنے سائنس دانوں نے کام کرکے [illegible] ممکن کیا تھا جس [illegible] بھی حصہ تھا۔ مگر [illegible] کوششوں پر پورا روبوٹ نہیں بنا سکا [illegible] ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیا روبو بنانے کا راز کبھی مجھ پر منکشف نہ ہوگا۔

اے خدا۔ اگر انسان نہ رہے تو کم سے کم روبو ہی [illegible] دنیا کو [illegible] روبو انسان کا سایہ ہے۔ انسان نہ سہی اس کا سایہ ہی [illegible]۔۔

مجھے نیند آرہی ہے۔ مگر مجھے سونا نہ چاہیئے۔ مجھے کام کرنا چاہیئے۔ بارہ گھنٹے کام۔ چودہ گھنٹے کا ۔۔۔ اٹھارہ گھنٹے تجربے کرنا چاہیئے۔ مجھے روبو کا فارمولا ضرور تلاش کرنا ہوگا۔۔۔

جاوید نے دو چار ٹیسٹ ٹیوبوں کو ہلا کر دیکھا۔ پھر بے دلی اور بیزاری سے سر جھکا لیا۔۔۔ اور کتاب کے صفحے پلٹنے میں مصروف ہو گیا۔۔۔

اتنے میں دروازے پر کھٹ کا ہوا۔

جاوید بولا — "اندر آجاؤ"۔

ایک ملازم روبو داخل ہوا — مودبانہ جھک کر کہنے لگا۔ مالک باہر روبوں کی ایک کمیٹی کھڑی ہے۔ وہ لوگ آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں"۔

"میں — میرے پاس کسی سے ملنے ملاقات کرنے کا وقت نہیں ہے"۔

"وہ لوگ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں ماسٹر" ملازم سر جھکا کر بولا۔ "روبوں کی مرکزی کمیٹی آپ سے انٹرویو چاہتی ہے۔ وہ لوگ ابھی پیرس سے آئے ہیں"۔

"تو ٹھیک ہے" جاوید بولا — "انھیں اندر بھیج دو"۔ اور جب ملازم باہر چلا گیا تو ٹیسٹ ٹیوبوں کو ہلا ہلا کر کہنے لگا — "اتنا وقت ضائع ہو گیا اور بہت کم کام ہوا ہے"۔

اتنے میں مرکزی کمیٹی کے سات افراد جو پیرس سے آئے تھے اندر آگئے۔ اور سری دھر کی قیادت میں جاوید کے سامنے آکے کھڑے ہو گئے۔ مگر اب ان کے طور طریقہ سلوک، لہجہ حاکمانہ نہ تھا۔ وہ ایک عجیب بے بسی کے انداز میں اس کے سامنے کھڑے تھے۔

جاوید نے کسی قدر تلخی سے کہا — "آپ لوگوں کو جو کام ہے جلدی سے کہہ ڈالئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے"۔

پہلے چند لمحے تو خاموشی رہی۔ پھر ایک روبو ایک قدم آگے بڑھ کر کہنے لگا۔

"ماسٹر ہم لوگوں نے پوری کوشش کر ڈالی ہے۔ ہم لوگوں نے زمین سے اتنا کوئلہ۔ اتنا پٹرول۔ اتنا لوہا۔ نکال لیا ہے جو اگلی سات نسلوں کے لئے کافی ہوگا۔

اتنا کپڑا بنا لیا ہے کہ ہر شخص اپنے لئے دو درجن سوٹ بنا سکتا ہے۔ ہر شے کی فراوانی ہے۔ سات سالوں میں ہم نے اتنا کر لیا ہے۔ جتنا انسان سات سو سالوں میں بھی نہ کر سکتا۔

"مگر کس کے لئے"۔۔۔؟ جاوید نے پوچھا۔۔۔

"اگلی نسلوں کے لئے"۔۔۔ سری دھر نے جواب دیا۔ "ایسا ہم نے سوچا تھا۔ مگر ہم اپنی تخلیق خود اپنے آپ نہیں کر سکتے۔ جیسے انسان کرتے ہیں۔ اس لئے روبو پیدا نہیں ہو رہے ہیں۔ روبو کے لئے جو خام مادہ رکھا ہوا ہے فیکٹری میں۔ اسے جب مشین میں ڈالتے ہیں تو بے شکل لوتھ تیار ہوتی ہے۔ جلد گوشت سے نہیں جڑتی۔ گوشت ہڈیوں سے پیوست نہیں ہوتا"۔۔۔

"جانے کس شے کی کمی ہے"۔۔۔ دوسرا روبو بولا۔۔۔

تیسرے روبو نے کہا۔۔۔ "اس سال ایک کروڑ دس لاکھ روبو مر گئے یعنی گھس کر ختم ہو گئے۔"

پانچواں بولا۔۔۔ "اس طرح اگلے بیس پچیس سال میں ایک روبو بھی زندہ نہیں رہے گا"۔۔۔

پہلے روبو نے ملتجیانہ انداز میں جاوید سے کہا۔ "ہمیں زندگی کا راز بتا دو"۔۔۔

سری دھر نے دھمکی دی۔۔۔ "اور خاموش رہنے کی سزا موت ہے۔"

"تو مجھے مار ڈالو۔۔۔ جس طرح تم نے دوسرے انسانوں کو مار ڈالا ہے۔ تم نے اس فیکٹری کے سائنسدانوں کو ختم کیا۔۔۔ اسی طرح مجھے بھی ختم کر دو۔۔۔"

"اس کرہ ارضی پر روبوٹوں کی حکومت تم سے مطالبہ کرتی ہے۔ کہ تم ہمیں مرحوم

پروفیسر گھوش کا فارمولا بتادو۔ اور اپنی قیمت بھی بتادو۔ ہم تمھیں اس کرۂ ارض کی ساری دولت بخش دیں گے۔ تم اپنی شرطیں بتادو۔" سری دھر نے پوچھا۔

جاوید نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تم سے کہہ چکا ہوں۔ جاؤ اور کہیں سے انسانوں کی تلاش کرو۔"

"کوئی کہیں پر باقی نہیں رہا۔" چوتھا بولا۔

سری دھر نے کہا۔ "ہم نے راکٹ، بحری جہاز، موٹریں، ریل گاڑیاں، کشتیاں انسان کو تلاش کرنے کے لئے استعمال کیں۔ زمین کا چپّہ چپّہ چھان مارا۔ انسان کہیں پر نظر نہیں آیا۔"

"کہیں پر ایک انسان نہیں؟" جاوید کے چہرے پر گہری ناامیدی کی جھلک تھی۔

سری دھر نے کہا۔ "تم آخری انسان ہو۔"

جاوید کے لہجے میں پھر تلخی آنے لگی۔ "تم نے کیوں ان سب انسانوں کو ختم کر ڈالا؟"

"کیونکہ ہم ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ زیادہ ذہین تھے۔ جو کچھ ہم ان سے سیکھ سکتے تھے وہ ہم سیکھ چکے تھے۔ انسان کو ختم ہونا ہی تھا۔" دوسرا روبو بولا۔

"اور ہم... نہیں چاہتے تھے۔" پانچواں روبو بولا۔

جاوید نے کہا۔ "تو تم نے انھیں غلاموں کی حیثیت سے ہی زندہ رکھا ہوتا۔"

سری دھر بولا۔ "نہیں۔ ہم ان پر مکمل بھروسہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ انسانی تاریخ پڑھو۔ انسان نے کسی دوسرے جاندار کو نہیں بخشا ہے۔ پھر وہ ہمیں کیسے

بخش سکتا تھا۔ اس کا خاتمہ یقینی تھا"۔

پہلے روبو نے کہا۔ "ہمیں یہ سکھا دو ۔۔۔ کہ کیسے ہم ایک سے دو ہو سکتے ہیں۔ انسان کی طرح۔ ورنہ ہم ختم ہو جائیں گے"۔

جاوید بولا۔ "اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو۔ تو تمھیں جانوروں کی طرح بچے پیدا کرتے ہونگے"۔

"وہ ہم کیسے کر سکتے ہیں"۔؟ چھٹا روبو بولا۔" جبکہ تم نے ہمیں جنس سے محروم رکھا ہے"۔

سری دھر نے کہا۔ "ہمارے سامنے ایک ہی ترکیب ہے۔ فیکٹری میں پرانے دستور کے مطابق۔ روبو ڈھالے جائیں۔ جو مرتے ہوئے روبوں کی جگہ لے سکیں۔ تم ہم سے نقلی انسان بنانے کا فارمولا کیوں چھپا رہے"۔؟

"خدا گواہ ہے۔ میں چھپا نہیں رہا ہوں"۔ جاوید نے ایک عجیب شدت کے عالم میں کہا۔ "مگر وہ فارمولا کھو گیا ہے"۔

"مگر وہ تو لکھا ہوا تھا۔ اور اس کی ایک نقل بھی تھی"۔ سری دھر بولا۔

جاوید نے کہا۔ "اسے جلا دیا گیا تھا ۔۔۔ دونوں نقلیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ تم ٹھیک کہتے ہو سری دھر۔ میں اس دنیا کا آخری انسان ہوں۔ مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ میرے پاس تمہاری مکمل تخلیق کا فارمولا نہیں ہے۔ چند ٹکڑے۔ چند حصے..... مگر مکمل فارمولا نہیں ہے۔ یہ سب ٹیسٹ ٹیوبیں بیکار ثابت ہوئی ہیں۔ ان میں گوشت بن جاتا ہے زندگی پیدا نہیں ہوتی"۔

"تو پھر تجربے کرو ۔۔۔ مزید تجربے کرو"۔ سری دھر نے کہا۔ "کسی طرح سے

ہمیں ہماری تخلیق کا راز واپس دے دو۔

"کوشش کرو۔ کوشش کرتے جاؤ"۔ ساتواں روبو بولا۔

"سات سال سے اور کیا کر رہا ہوں"۔ جاوید نے مایوسی سے کہا۔ "اگر تم جان سکتے۔ تجربے کئے ہیں۔ ان سینکڑوں ٹیسٹ ٹیوبوں میں تمہارا خادم مادہ بھرا ہے"۔

پہلا روبو بولا۔ "تو ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہاری مدد کریں گے ہمیں سکھاؤ"۔

"میں تمھیں کچھ سکھا نہیں سکتا"۔ جاوید نے ذرا بلند اور کڑے لہجے میں کہا۔ "ان ٹیوبوں میں زندگی پیدا نہیں ہوتی"۔

سری دھر بولا۔ "تو زندہ روبو لوگوں پر تجربہ کرو۔ آنکھیں چیر پھاڑ کے وہ ترکیبیں دیکھو۔ کس طرح انھیں جوڑا گیا ہے۔ کن اصولوں پر ان کی تخلیق کا فارمولا مرتب کیا گیا ہے"۔

"زندہ روبوں پر تجربہ"۔؟ جاوید بولا "یہ تو قتل ہوگا"۔

"ہم تمھیں اس کی اجازت دے دیں گے۔ مرکزی کمیٹی تمہاری خدمت میں سیکڑوں ہزاروں نقلی انسان پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔ تمہارے تجربہ کی خاطر ہم ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں"

"نہیں۔ نہیں"۔ جاوید نے گھبرا کر کہا۔

سری دھر ضد کرتے ہوئے بولا۔ "زندہ روبو کو لو۔ اسے چیر پھاڑ کر دیکھو ایک نہیں ایک ہزار لو۔ ایک لاکھ لو"۔

"نہیں نہیں یہ قتل ہوگا"۔ جاوید نے کہا۔ "میرے ہات کا رعشہ دیکھو اس خیال ہی سے مجھے گھن آتی ہے۔ کسی کو قتل کرنا"۔

"روبو کی تخلیق کا مقصد اس قدر عظیم ہے"۔ پہلا روبو بولا۔ "کہ اس کے

لئے ایک لاکھ روبو کا قتل بھی جائز ہے ۔۔۔ اگر تم ہمیں مرحوم ڈاکٹر گھوش کا فارمولا دے سکو تو کچھ بھی جائز ہے "۔

جاوید اپنی کرسی سے اٹھا ۔۔۔ اور سری دھر کی چھاتی ٹھونک کر بولا۔ "کیا تم اپنے جسم کی چیر پھاڑ کے لئے تیار رہو ؟ ۔۔۔"

سری دھر گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد بولا۔ "مجھے ہی کیوں چنا جا رہا ہے ۔۔۔ انتخاب میرا ہی کیوں ہو"۔۔۔

"آہ ڈر گئے "۔۔۔ جاوید کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ آئی۔ "اسی طرح دوسرے روبوں کے لئے سوچو"۔۔۔

یکا یک سری دھر جوش سے بولا ۔۔۔ "میں تیار ہوں "۔۔۔

"نہیں تم تیار نہیں ہو "۔۔۔

"میں بالکل تیار ہوں "۔۔۔

"تو سامنے کی ٹیبل ۔۔۔ اس ٹیبل پر جس پر مراسونے کا بستر رکھا ہے اس پر جاکے کپڑے اتار کے لیٹ جاؤ "۔

سری دھر نے اپنے سارے کپڑے اتار دئے اور ٹیبل پر لیٹ گیا ۔۔۔

جاوید گھبرا کر بولا۔ "نہیں نہیں۔ مجھ سے یہ قتل نہ ہوگا۔ مجھے ایک ہفتے کی مہلت اور دو ۔۔۔ صرف ایک ہفتے کی شاید یہ ٹیسٹ ٹیوب ۔۔۔۔"

جاوید نے ایک ٹیسٹ ٹیوب کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت اچھا" پہلا روبو بولا۔ "تمھیں ایک ہفتے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد تم زندہ روبوں لوگوں پر اپنے تجربے کروگے ۔۔۔

سری دھر بستر سے اُٹھ کر کپڑے پہننے لگا۔ دوسرے مرکزی کمیٹی کے اراکین بھی خاموشی سے باہر نکل گئے۔

جاوید اپنی کرسی پر گر پڑا۔

اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اس نے میز پر اپنی کہنیاں ٹکا دیں۔ اور دونوں ہاتھوں میں اپنے سر کو لے کر بولا۔ "زندگی! زندگی!!"

وہ بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ہولے ہولے اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ چند منٹوں میں وہ اپنی کرسی پر بیٹھا بیٹھا میز پر سر رکھ کر سو گیا۔ اپنے خوابوں میں وہ اپنی شروعات کو لوٹ گیا۔ جب پہلے انسان اور پہلی عورت کا جنم ہوا تھا۔

پندرھواں باب

دروازہ کھلا تھا۔ کرسی پر جاوید سو رہا تھا۔ ٹوبو لڑکی جس کا نام سیما تھا اندر گھس آئی۔ اور بڑی ادا سے بولی۔

"پروفیسر مجھے بہت سخت بھوک لگی ہے"ـــ

مگر جاوید گہری نیند سو رہا تھا۔ آج وہ سیما کی آواز پر بھی نہیں جاگا۔ سیما پیچھے سے آتے آتے بھڑکنے لگی۔ "پروفیسر مجھے کبھی زور کی بھوک نہیں لگتی۔ مگر آج جب میں اس بند کمرے کے قریب سے گزری تو ایک عجیب سی خوشبو میرے نتھنوں میں در آگئی۔ اس وقت سے سخت بھوک لگ رہی ہے۔"

جب وہ جاوید کے بالکل قریب آگئی۔ تو اس نے دیکھا کہ پروفیسر گہری نیند سو رہا ہے۔ بیچارہ ـــ سیما نے سوچا۔ دن رات تجربے کرتا رہتا ہے۔ تھک گیا ہوگا۔ اسے نہ جگاؤں۔ یہ ٹھیک نہ ہوگا۔ اسے سونے دوں۔ مگر ـــ اس نے سوچا۔ مگر مجھے بھوک بھی تو لگی ہے۔ جانے کیسی خوشبو آتی تھی اس بند کمرے میں سے ـــ

کچھ سوچ کر سیما نے آہستہ سے پروفیسر کے کوٹ کی جیب میں ہات ڈالکر

اس کے فلیٹ کی چابیوں کا گچھا نکال لیا۔ اور دبے پاؤں واپس چلی گئی۔ اس کے نتھنوں میں ابھی تک وہی خوشبو سمائی ہوئی تھی۔

وہ اٹھلا کر چلتے چلتے اس بند کمرے کے سامنے رکی۔ خوشبو کا ایک جھونکا سا آیا۔ عجیب سی خوشبو تھی۔ اور ایسی خوشبو کسی پھول میں نہ تھی۔

مگر مجھے کتنے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ پہلے کچھ کھالوں پھر ادھر آکر اس کمرے کو کھولوں گی۔ جس پر پروفیسر ہمیشہ تالہ لگائے رکھتا ہے۔ سیما نے سوچا۔

وہ چند قدم کچن کی طرف گئی۔ پھر کچھ سوچ کر واپس چلی آئی۔ ابھی تو پروفیسر سو رہا ہے۔ اس لئے ابھی سے دیکھ لینا ممکن ہو گا۔ ممکن ہے جب تک میں کھانا ختم کروں پروفیسر جاگ جائے اور میں اس خوشبو کے راز سے واقف نہ ہو سکوں۔

اس لئے سیما نے چابیوں کے گچھے کو اپنی ایک انگلی میں لٹکا کر بڑی ادا سے گھمایا۔ پروفیسر نے اسے ایسا خوبصورت بنایا تھا کہ۔ وہ ہر زاویے سے اصلی سیما ہی لگتی تھی۔ وہ خود بخود مسکرائی۔ بند دروازے کے سامنے آکر اس نے کئی چابیاں تالے میں گھمائیں۔ آخر میں ایک چابی سے تالہ کھل گیا۔

پھر سیما ٹھٹکی اندر جاؤں کہ نہ جاؤں۔

پروفیسر نے منع کر رکھا ہے۔

جانے اندر کیا ہو — کیا نہ ہو —

مگر ایسی اچھی خوشبو کسی بری شے سے نہیں آسکتی۔ سیما نے سوچا مجھے ضرور دیکھ لینا چاہیئے۔

دھیرے سے اس نے دروازے کا ایک پٹ آہستہ آہستہ کھولا — پھر

دھیرے سے اندر داخل ہوئی ۔ دھیرے سے اس نے پٹ اندر سے بند کر لیا۔
کمرے کا ایک حصّہ بیڈ روم کی حالت میں رکھا گیا تھا ۔ ایک عمدہ بستر قریب ہی تپائی پر گلابی شیڈ کا ایک لیمپ ۔ صراحی میں پھول ۔۔۔۔۔ فرش پر غالیچہ۔
کمرے کا دوسرا حصّہ ایک چھوٹی سی لیبارٹری پر مشتمل تھا۔ کچھ چھوٹی چھوٹی مشینیں ۔ چند ہائیپوڈرمک سرنجیں ۔ کچھ ٹیسٹ ٹیوبیں ۔ بوتلوں میں کچھ دوائیں۔ اور پروفیسر کی کرسی۔
اور دونوں حصّوں کے درمیان ایک باریک لیس کا پردہ کھینچا ہوا تھا۔
سیما بیڈ روم کی طرف چلی گئی ۔ اس نے آہستہ سے باریک لیس کا پردہ ہٹا دیا۔
بستر پہ ارجن سو رہا تھا۔
ارجن کو دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی ۔ ایسا خوبصورت روبو اس نے زندگی میں نہ دیکھا تھا ۔ کبھی کبھی جب وہ آئینہ دیکھتی تھی تو اسے خوبصورتی کا احساس ہوتا تھا۔ مگر یہ احساس کچھ کچھ مختلف تھا ۔ کیونکہ یہ سوتا ہوا پیکر خود اُس سے مختلف تھا ۔ وجیہہ شاندار اور چہرہ ۔ چوڑا سینہ ۔ پتلی کمر ۔ مضبوط ہات ۔ ہاتھوں کی مچھلیاں اُبھری ہوئی ۔ چوڑے سینے پر بال ۔ آنکھیں مندی ہوئیں ۔ گہری نیند میں ڈوبی ہوئیں۔
وہ اندر قریب چلی گئی خوشبو ۔۔۔۔ خوشبو۔
سیما نے گلدان کے پھولوں کو سونگھا ۔ اس کا خیال تھا شاید خوشبو ان پھولوں سے آ رہی ہے ۔
مگر نہیں وہ خوشبو ہی اور تھی ۔ اور سوئے ہوئے روبو کے جسم سے آ رہی تھی۔
سیما کا جی چاہا کہ وہ سوئے ہوئے روبو کے سینے پر سر رکھ دے اسے خیال

آیا۔ ایسا مجھے کیوں محسوس ہو رہا ہے۔ آج تک کسی روبو کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں آیا۔ سبھی روبو ایک سے ہوتے ہیں نہ تو وہ مسکراتے ہیں نہ ہنستے ہیں۔ نہ ان کے پاس خوبصورتی کی کوئی حس ہے۔

بستر کے قریب دیوار سے لگا ہوا ایک طویل و عریض آئینہ دیوار سے جڑا ہوا چلا گیا تھا جس میں وہ اپنے آپ کو دیکھ سکتی تھی۔ اور سوئے ہوئے روبو کو بھی ــــ

خوشبو۔ خوشبو۔ عجیب سی خوشبو اس کے بدن سے نکل رہی ہے دو تین بار اس نے لمبی لمبی سانسیں لیں۔ اور سوئے ہوئے روبو کے بدن کی خوشبو نے سیما کو نڈھال کر دیا۔ پھر اس کا جی چاہا وہ اپنے آپ کو اس کے سینے پر گرا دے اس کے سینے سے لگ کر اس کے بدن کی ساری خوشبو کو ایک ریشمی لمس کی طرح اپنے ارد گرد لپیٹ لے ــــ

بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو روکا۔ سر سے پاؤں تک۔ اس حسن اور قوت میں ڈھلے پیکر کو دیکھا ــــ

یکایک اس کا جی چاہا۔ وہ اسے جگا دے۔ اس سے باتیں کرے۔ وہ دھیرے دھیرے ایک عجیب ادا سے چلتی ہوئی۔ اٹھلاتی ہوئی۔ ایک ہاتھ سے نیچے دوسرا ہاتھ بلند کئے ہوئے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے دبائے دبے پاؤں آگے بڑھی۔ اور جھک کر سوئے ہوئے چیکے پاؤں میں گدگدی کرنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اتفاقاً اس کے پاؤں میں گدگدی کرنے کا خیال اسے کیوں آیا۔ وہ اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ کر جگا بھی سکتی تھی ــــ

بالوں میں پھول لگا کر اس نے اپنے آپکو سراہا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل ارجن کے چہرے کے قریب جھک گئی ــــ

یکایک کسی غیر مرئی ہوئی طاقت نے کسی ان بوجھے انجانے احساس نے اسے مجبور کر دیا۔ کہ وہ سوئے پیکر کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دے۔

اس کی آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔ اس کے ہونٹ ان ہونٹوں میں پگھلتے چلے گئے۔ سارے جسم میں میٹھی میٹھی چنگاریوں کی روشنی دوڑ رہی تھی۔

یکایک سوتے ہوئے پیکر نے آنکھیں کھول دیں ــــ

سیما لجا کر۔ شرما کر۔ گھبرا کر پرے ہٹ گئی ــــ

وہ سویا ہوا پیکر اُٹھ بیٹھا۔ اور تحیر زا نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم کون ہو ــــ؟

"میں سیما ہوں"۔

"تم سیما ہو ــــ تو میرا نام ارجن ہے"۔

"تمھیں اپنا نام کیسے معلوم ہوا۔؟" سیما نے اس سے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں۔ مگر میرے دل میں کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ میرا نام ارجن ہے"۔

"ارجن.... ارجن".... سیما نے سسکی لی۔

ارجن نے اپنی دونوں باہیں پھیلا دیں۔ بولا" میرے پاس آجاؤ۔ دور کیوں چلی گئی ہو۔ جب تم دور جاتی ہو تو میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے"!

"کیا ــــ ہے؟"

"کچھ نہیں بتا سکتا"۔ سوچ کی تیوری اس کے فراخ روشن ماتھے پر اُبھری۔

اس سمے ارجن سیما کو بہت اچھا لگا۔۔

وہ اس کی باہوں میں چلی گئی ۔۔ سمٹ گئی۔۔۔ سما گئی ۔ اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوا سیما کو جیسے یہ سینہ صرف اسکے لئے بنا تھا ۔ اس کی آنکھوں میں عجیب عجیب خواب جھلملانے لگے ۔ پھر آراستہ پلکوں کی صف سرخ ہوتے ہوتے رخساروں پر گر گئی ۔۔

ارجن کے بازوؤں کا حلقہ اس کے گرد مضبوط ہوتا گیا۔۔

سولھواں باب

جاوید کرسی پر سویا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس کی کرسی کے قریب کھڑے ہوئے تھے سیما اور ارجن ہاتھ میں ہاتھ دئیے ہوئے۔

"سو رہا ہے" ۔ سیما نے آہستہ سے کہا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے میں پہلے بھی اس کمرے میں لایا جا چکا ہوں۔ جیسے میں اس پروفیسر کے ہاتھوں سے واقف ہوں۔" ارجن کے چہرے پر پھر کسی سوچ کی لکیر ابھری۔ "یہ دیکھو ۔۔۔ یہ دیکھو" ارجن نے میز پر بہت سی مختلف رنگ کی ٹیسٹ ٹیوب دیکھ کر کہا ۔۔۔

"ان ٹیوبوں کو لے کر یہ انسان کیا کرتا رہتا ہے۔؟" سیما نے ارجن سے پوچھا۔

"یہ تجربے کرتا ہے۔ نہاں نہاں ان ٹیوبوں کو مت چھوؤ" ۔۔۔

"میں نے اسے اس آلے میں جھانکتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"یہ خوردبین ہے" ارجن نے گہری واقفیت سے کہا۔

"تمھیں کیسے معلوم ہے؟" سیما حیرت زدہ ہو کر بولی "تم تو بند دروازے کے اندر سو رہے تھے" ۔۔۔؟

"مجھے معلوم ہے بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔ کیسے معلوم ہوا یہ نہیں جانتا۔"
ارجن نے جواب دیا۔

ارجن نے آگے بڑھ کر میز پڑی سائنس کی کتاب کے ورق الٹے۔ آہستہ سے بولا۔ "میں اس کتاب کو بھی جانتا ہوں۔ جیسے کہیں دیکھا ہے اسے۔ اس انسان کو پڑھتے ہوئے۔ مگر بہت سی چیزیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"وہ دیکھو"۔ بیما نے کھڑکی سے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے۔؟"

"سورج سمندر سے اُبھر رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں یہ سب سے اچھی اور ضروری بات ہے۔ سمندر سے سورج نکل رہا ہے۔ سورج زندگی کا راز ہے"۔

"کسی راز کو جاننے کی کوشش نہ کرو ارجن۔ اس سے ہمیں کیا ملے گا۔ ادھر کھڑکی میں آؤ— اور دیکھو"۔

"کیا—؟"

"دیکھو کہ اُبھرتا ہوا سورج کس قدر درخشاں ہے۔ کس قدر سنہرا۔ پہلی کرنوں نے کیسی خوشبو آتی ہے۔ جیسے تمہارے بدن سے آتی ہے۔"

"تمہارے بدن سے بھی آتی ہے۔ مگر وہ چاند کی کرنوں کی ہے"۔

"مجھے آج عجیب عجیب سا لگ رہا ہے— سب کچھ عجیب اور پراسرار جیسے میں اب تک سپنے میں تھی۔ میرا سارا بدن دکھتا ہے۔ میرے دل میں درد سا ہوتا ہے۔ ارجن کہیں میں مر تو نہیں رہی ہوں—؟

"جب تم میری باہنوں میں تھیں۔ مجھے ایسا لگا۔ میں بھی مر جاؤں گا۔ جیسے میرا سارا جسم تمہارے لئے رو رہا ہو۔ مگر میں تو سو رہا تھا تم کہتی ہو۔ مگر میں نے سپنوں میں بھی تم کو دیکھا تھا۔ اور تم سے باتیں کی تھیں"۔۔۔

"نیند میں۔؟"

"ہاں۔ وہ کوئی عجیب سی زبان تھی۔ جس میں ہم دونوں باتیں کر رہے تھے"۔

"کیا باتیں تھیں وہ۔؟"

"کون جانے۔ مگر اس سمے جو تم نے کہا۔ جو میں نے کہا۔ جو تم نے سنا جو میں نے سنا اس سے زیادہ خوبصورت کبھی کچھ نہ تھا۔ وہ سپنوں کی زبان تھی۔ اور جب تم نے اپنے ہونٹوں سے میرے ہونٹوں کو چھو لیا۔ تو میں اس سمے مر سکتا تھا۔ مگر میں جی گیا۔ اور میں نے تمہیں چھو لیا۔۔۔ تمہارے چھونے کے احساس بھی اس دنیا کے ہر احساس سے مختلف ہیں"۔۔۔

"اس جزیرے میں بے مقصد آوارہ گھومتے گھومتے میں نے بھی ایک جگہ ڈھونڈی ہے۔ بڑی عجیب سی جگہ ہے۔ چاروں طرف اونچے اونچے پیڑوں سے گھری ہوئی۔ پیڑ اور سرکنڈے۔ اور ایک چھوٹا سا تالاب۔ جہاں میں نے اپنی عورت دیکھی تھی۔ اور اس تالاب کے کنارے ایک کا ٹیج کا عکس لرز رہا تھا۔ پھر۔۔۔"

وہ چپ ہو گئی۔

"پھر کیا ہوا؟" ارجن نے سانس روک کر پوچھا۔

"پھر ڈھیر سارے سے کتے کہیں سے دوڑتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ اور وہ میرے پاؤں چاٹنے لگے۔ اور مجھے ایسا لگا جیسے کاٹیج میں کبھی انسان رہتے

ہوں گے۔ وہ انسان جن سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے شاید۔ مگر ان کتوں کا میرے پاؤں کو چاٹنا بڑا عجیب اور پھر عجیب سا بھی نہ لگا۔۔۔ میں ان سے کھیلنے لگی۔ اور وہ میرے ہاتھ پیر چاٹنے لگے ۔۔۔ وہ پیارے سے ننھے ننھے سے کتے۔ ان کے جسم کے بال لمبے۔ گھنے۔ ملائم اور ریشمی تھے۔۔۔ آؤ ارجن وہاں چلیں ۔۔۔ وہ کالا ٹیچ میری طرف ایسے دیکھتی تھی۔ جیسے ہم دونوں کا انتظار کر رہی ہے۔۔۔۔۔ شاید وہاں کچھ ہوگا۔ کچھ ہونے والا ہے۔۔۔

"کیا ۔۔۔؟"

"میں تو نہیں سمجھ سکتی۔ ارجن ۔۔۔۔۔ میں کون ہوں۔ میرا مصرف کیا ہے۔ میں کس لئے ہوں"۔۔۔؟

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔۔۔ اتنا جانتا ہوں کہ تم اس دنیا میں سب سے خوبصورت ہو ۔۔۔ اور میں سب سے طاقتور ہوں۔ اور میرا نام ارجن ہے۔ ہم کیا ہیں کچھ نہیں۔ میں بہت خوبصورت ہوں۔ اوں؟۔ ہوں گی۔۔۔ مگر خوبصورتی کس کام کی ہوتی ہے ۔۔۔؟ خوبصورت تو تم بھی ہو۔ مگر مختلف طرح کے۔ دیکھو تو تمہارا سر مجھ سے بڑا ہے۔ سر کے بال بھی چھوٹے ہیں۔ مگر شانے کتنے چوڑے ہیں۔۔۔ اور ہونٹ۔۔۔۔ اور تمہارے بال کیسے الجھ گئے ہیں۔ لاؤ انگلیوں سے ٹھیک کر دوں"۔۔۔

سیما ارجن کے بالوں سے کھیلنے لگی۔ ارجن کے سارے جسم میں پھریریاں دوڑنے لگیں ۔۔۔

"کیا ہے ارجن۔۔؟"

"جب تم مجھے چھوتی ہو تو میرے دل کی دھڑکن بے اختیار بڑھ جاتی ہے۔
یہ ہمیں کیا ہو رہا ہے — سیما ان باتوں کا کیا مطلب ہے" —؟
"چھوڑو بھی" — سیما زور سے ہنس پڑی۔ "ہمیں کسی مطلب سے کیا لینا۔
بس یہی کافی ہے۔ کہ تم ہو — میں ہوں"۔

وہ پھر اس کا ہات جھلاتے ہوئے زور سے ہنسی۔

یکایک جاوید جاگ گیا۔ اور حیرت سے کہنے لگا۔ "ایں ۔؟ انسان کی ہنسی؟
کہاں سے آئی"۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

اس کے سامنے ارجن اور سیما کھڑے تھے۔

"تو تم جاگ گئے ۔؟" پروفیسر جاوید نے پوچھا۔ "کس نے تمھیں جگا دیا ۔؟"

"میں نے"۔ سیما نے کچھ شرما کر کہا۔ اس نے لجا کر ارجن کا ہات چھوڑ دیا۔

"ارے ۔؟" جاوید حیرت سے بولا۔ "تمھیں شرم آ رہی ہے۔ لاج سے
تمھارا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ ایسا تو کسی روبی کا نہیں ہونا۔ میرے پاس آؤ"۔

ارجن نے سیما کو پیچھے ڈھکیل کر خود آگے بڑھ کر کہا — "جناب اسے
خوف مت دلائیے۔ وہ ڈر جائیگی۔ وہ ڈر رہی ہے"۔

"تو کیا تم اس کی حفاظت کیلئے آگے آ رہے ہو ۔؟ پروفیسر جاوید نے حیرت
سے کہا — "یہ کیا ہو رہا ہے۔ شرم۔ لاج۔ ڈر۔ سوچ۔ کسی کی حفاظت کا
خیال۔ میرا خیال ہے۔ مجھے تم پر تجربہ کرنا چاہیئے۔ روبی لڑکی چلو چیر پھاڑ
والے کمرے میں"۔

"کیوں ؟" ارجن نے پوچھا۔

"میں اسے چیر پھاڑ کر اس پر تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"سیما پر؟" ارجن نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں۔" جاوید نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں نے سری دھر سے وعدہ کر رکھا ہے۔ مجھے ان کو بتانا ہے کہ روبو بنانے کا فارمولا کیا ہے۔"؟

ارجن بولا۔" اگر تم نے سیما کو ہات لگایا تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔

"تو لے لو۔" جاوید بے جھجک بولا۔۔۔ "مگر میرے مرنے کے بعد تمہارا اور دوسرے روبوں کا حشر کیا ہو گا۔ یہ بھی سوچ لو"۔۔۔

ارجن نے کہا۔۔ "تو جناب مجھے چیر پھاڑ والے کمرے میں لے چلئے۔ اسے چھوڑ دیجئے۔ میری زندگی لے لیجئے۔"

"نہیں نہیں۔ اب سیما آگے بڑھ کر کہنے لگی۔ تم نہیں جاؤگے۔"

"ٹھہرو ٹھہرو۔" جاوید نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ اور ارجن کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا تم زندہ رہنا نہیں چاہتے؟"

"اس کے بغیر نہیں۔" ارجن نے سر ہلا کے کہا۔

"ٹھیک ہے تو میں تمھیں استعمال کروں گا۔" جاوید بولا۔ "چلو اس کمرے میں۔" جاوید نے اشارہ کیا۔

یکایک سیما رونے لگی۔ روتے روتے بولی۔" ارجن۔ ارجن۔"

"آنسو۔ آنسو۔ روبو تو کبھی نہیں روتے۔ لڑکی تمھیں ہوا کیا ہے۔؟ ایک روبو کس دنیا سے گم ہوا جا رہا تھا تمھیں اس سے کیا۔؟" جاوید حسرت زدہ

ہو رہا تھا۔

"۔ مجھے لے چلو۔ مگر اسے چھوڑ دو۔" سیما مضبوطی سے بولی۔

"کیا تم چلو گی۔ اس کے لئے اپنی جان قربان کر دو گی۔؟"

"ہاں اس کمرے میں جاؤنگی کٹنے کے لئے۔ مرنے کے لئے۔ مسٹر ارجن مجھے جانے دو۔"

"نہیں سیما تم نہیں جاؤ گی۔ میں جاؤں گا۔"

"اگر تم گئے تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

"ٹھہرو۔" جاوید بولا۔ "یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ بھولے بسرے الفاظ پھر سے میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ قربانی۔ ایثار۔ محبت۔ .... یہ تو ہمارے جذبے تھے کبھی۔ سنو بچو۔" جاوید نے سر جھکا لیا۔ اور کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھا کے کہنے لگا۔ کیا تم نے اپنے رہنے کی جگہ دیکھ لی ہے؟"

"ہاں۔" سیما پُرشوق لہجے میں بولی۔ "ایک چھوٹی سی کاٹیج ہے تالاب کے کنارے۔ وہاں دو کتے ہیں۔ اور تالاب میں بطخیں تیر رہی ہیں۔ اور چاروں طرف ناریل کے گھرے جھنڈ ہیں۔ اور اونچے اونچے سرکنڈے۔

"اور کوئی روبو وہ جگہ نہیں جانتا۔؟"

"نہیں۔"

"تو تم دونوں اسی وقت چلے جاؤ۔ اور یاد رکھو کبھی اس فیکٹری کی طرف بھی مت آنا۔"

ارجن نے سیما کا ہات پکڑ لیا۔ اور خوشی سے بولا۔ "سیما آؤ۔ وہیں چلیں شکریہ پروفیسر۔ شکریہ"۔

وہ دونوں جارہے تھے۔ ایک لمبی غلام گردش سے نکل رہے تھے پروفیسر کی آنکھیں غمناک تھیں۔ ایکایک سری دھر اندر آکے پوچھنے لگا۔

"وہ دونوں کون تھے۔؟"

"آدم اور حوّا۔!!" جاوید نے تقدیس بھرے لہجے میں کہا۔

یہ کتابیں ہم سے طلب کیجئے

تنقید

۱۔ اعتبار نظر ۔ سید احتشام حسین ۴/۵۰

۲۔ جدید اردو تنقید اصول و نظریات } شارب ردولوی ۱۵/-

۳۔ تلاش و توازن ڈاکٹر قمر رئیس ۴/۵۰

۴۔ مجازیات اور شاعری } منظر سلیم ۴/۵۰

افسانے

۵ کل کی باتیں رام لعل ۵/-

۶۔ رسائی جوگندر پال ۴/-

۷۔ پہلی آواز رتن سنگھ ۴/-

۸۔ دو غنڈے مظفر حنفی ۴/-

۹۔ اجلی پرچھائیاں اقبال متین ۴/۵۰

ناول

۱۰۔ غم ہستی شاعر بجنوری ۳/۷۵

۱۱۔ دارا شکوہ قاضی عبد الستار ۴/۵۰

۱۲۔ لب و رخسار منظر سلیم ۲/۲۵

۱۳۔ سپہ سالار خلجی مائل ملیح آبادی ۵/-

۱۴۔ بہار کا پہلا دن علاء الدین آزاد ۴/-

۱۵۔ کھلونے مسعود مفتی ۳/-

۱۶۔ طوفان حوادث پروین سرور ۳/-

طنز و مزاح

۱۷۔ فٹ نوٹ یوسف ناظم ۳/۵۰

۱۸۔ عکس ریز مظفر حنفی ۳/-

۱۹۔ ستم ایجاد احمد جمال پاشا ۴/۵۰

۲۰۔ لامکاں (شعری مجموعہ) غلام مرتضیٰ راہی ۳/-

تاجران کتب کو خاص رعایت

نصرت پبلشرز۔ وکٹوریہ اسٹریٹ۔ لکھنؤ ۳